خطبہ صدارت

بموقع:

علمی وتاریخی انٹرنیشل سیمینار

''حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ

حیات وخدمات''

بتاریخ:

4-5/مارچ 2017

از:

فضیلۃ الشیخ عبدالمعید عبدالجلیل المدنی

www.KitaboSunnat.com

زیر اہتمام:

جمعیت اہل حدیث ،صوبہ دہلی

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- **دعوتی مقاصد** کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى أما بعد:

تمہید:

سید السادات محمد نذیر حسین دہلوی (۱۲۲۰۔۱۳۲۰ھ) کی وفات پر ۱۱۴ سال بیت چکے ہیں، انکا وقفہ حیات ۱۹ ویں صدی میں تاریخ اہل حدیث کا سنہرا، شاندار اور وسیع باب ہے۔ یہ برصغیر میں اہل حدیث کی تاریخ نگاری کا بہت مؤثر اور قابل رشک وقفہ ہے۔ مغل سلطنت کے دور زوال میں شاہ ولی اللہ اور ان کے ابناء کا وقفہ تاریخ اہل حدیث کا تمہیدی باب ہے، شہیدین کا وقفہ عمل ہماری تاریخ کا پہلا باب ہے، میاں صاحب کا وقفہ عمل تاریخ اہل حدیث کا دوسرا باب ہے، ہماری تاریخ کا یہ پڑاؤ وسیع فکر ونشاط، حرکت وعمل، صلاحیت واستعداد، جہود ومساعی، عملی وفکری تنوع اور نتائج وعواقب کے اعتبار سے بے مثال ہے۔

تاریخ کے اسی وقفہ سے سیدوالا جاہ نواب صدیق حسن قنوجی (۱۳۰۷ھ) کی علمی ودعوتی جہود کا تعلق ہے، اسی وقفہ میں صادقین صادق پور نے ساری مالی جانی قربانیاں بھی دیں، پورے ملک میں سیاسی دعوتی جہادی تعلیمی مراکز قائم کیے اور ملک کو استعمار سے پاک کرنے اور اسلامی ریاست قائم کرنے کی ہر امکانی جدوجہد کی۔ تاریخ اہل حدیث کے اس پیریڈ کے عمل تنوع اور امتیاز واعتبار کو نگاہ میں رکھیں تو اس کے تین حصے ہیں۔ ایک اہم حصے پر آج سیمینار انعقاد پذیر ہے۔ سخت ضرورت ہے کہ بقیہ دو حصوں پر ان کی اہمیت کے مطابق سیمیناروں کا انعقاد ہو، تاکہ تاریخ اہل حدیث کے اس دور کے متعلق تاریخی دستاویزات ہم اپنی جماعت کے سامنے پیش کرسکیں۔

ہماری تاریخ کا یہ وقفہ ہماری سیاسی منصوبہ بندی، علمی قوت اور دینی جہود کی اصلی شناخت ہے، یہ وقفہ دعوتی توسیع، متنوع مجہودات، ہمہ جہتی صلاحیتوں اور قربانیوں سے معمور ہے۔ کتاب

www.KitaboSunnat.com

وسنت کی خالص تعلیمات کو سیکھنے سکھانے اور پھیلانے کا سلسلہ ہزار رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود برصغیر میں اس دور میں قائم ہوا، اور کھل کر ہر خطہ میں ان پر عمل کرنے والے پیدا ہوئے۔

تاریخ کے اس وقفہ میں برصغیر میں عام سیاسی حالت کیا تھی، تہذیبی وثقافتی معیار کیا تھا، سماجی اور معاشرتی طور طریقے کیا تھے، معاشی حالت کیا تھی؟ ان حالات میں میاں صاحب کے لئے کام کے امکانات کیا تھے، ان کے کاموں کی کمیت کیفیت کیا تھی، ان کا کنٹریبیوشن کس طرح کا تھا، ان کی مساعی کتنی مؤثر اور نتائج خیز تھیں، ان کے اندر دین وملت کے فروغ کی کتنی صلاحیت تھی اور ان کا استعمال انہوں نے کس طرح کیا۔ ان کی راہ کی رکاوٹیں کیسی تھی اور کتنی تھیں۔ انہوں نے ان سے نمٹنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا۔ اور کس طرح ان کو دور کر سکے۔

ان نقاط پر گفتگو کرنے سے ان کی جہود وانتاجات اور اسہامات کی قدر وقیمت، امتیاز، تاثیر اور نتائج ہمارے سامنے آجائیں گے۔ ان کی وسعت وہمہ گیری بھی اجاگر ہوگی۔ اور تاریخ کے اس پڑاؤ کی واضح شکل ہمارے سامنے نمودار ہوگی۔

میاں صاحب کی دینی جہود دستر سالوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ رب کریم نے انھیں کام کا طویل وقفہ دیا تھا۔ یہ وقفہ ملت اسلامیہ ہند کا انتہائی حوصلہ شکن وقفہ تھا۔

سماجی وسیاسی حالت:

اس وقت کا منظر نامہ یہ تھا کہ مغل حکومت کمزور ہوکر ختم ہوچکی تھی۔ انگریز عملا سارے برصغیر پر قابض ہوچکے تھے۔ انہوں نے ملک کا سیاسی تعلیمی اقتصادی ڈھانچہ بالکل بدل کر رکھ دیا تھا۔ ساری مخالف طاقتوں کو کچل ڈالا تھا۔ دین وتہذیب خطرے میں تھی۔ تعلیم سیکولر، عدلیہ سیکولر، انتظامیہ جابر، مستشرقین کی ٹیم تہذیب وثقافت پر ڈاکے ڈالنے کے لئے موجود۔ اور مسلم ایلیٹ گروپ کی رہبری کرنے کے لئے حاضر، استعمار ظلم وستم کی مشنری زوروں پر، مبشرین کی منہ زوریوں اور زبان درازیوں کو کھلی چھوٹ۔ معیشت کے سارے نفع بخش ذرائع پر مغربی برطانوی سرمایہ داروں کا قبضہ۔ غرضیکہ باطل کا جبر، باطل کی اشاعت زوروں پر۔ دیسی ریاستیں استعمار کا باجگذار بے بس، وفاداری نذرانہ لئے حاضر، غلامی کا تحفہ لینے کے لئے بے تاب راجے، راجواڑے، نواب نوابیاں سب دھول دھول۔

اسی وقفے میں شہیدین کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، ۱۲۴۶ھ میں ان کی ساری قوت تہس نہس ہوگئی۔ اولا قبائلی پٹھانوں نے ان کو ہر طرح نقصان پہنچایا اور ان کی قوت تباہ کردی، بچی کچھی طاقت سکھوں کے ساتھ لڑائی میں ختم ہوگئی، گو سکھ بھی تباہ ہوگئے اور استعمار کے شکنجے میں کس دیئے گئے۔

اسی وقفے میں ۱۸۵۷ء کی قیامت بھی آئی، جس نے مسلم قوت اور قومی مقاومت کو کچل کر رکھ دیا۔ اور ساری قومی غیرت ونخوت پامال کردی گئی، ملک کے سارے خزانے لٹ گئے۔ پوری قوم غلام بنالی گئی، ذوق یقین سے مغلوب قوم محروم ہوگئی۔ پیمانہ حیات الٹ گیا، رہی سہی مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت ختم ہوگئی اور محکومی کا دور شروع ہوگیا۔ ظالم استعمار نے مسلمانوں کو حاکم وقت کی حیثیت سے تباہ کر کے محکوم بنایا اور ان کو اپنے انتقام اور ستم کا نشانہ بنایا۔ محض اس خوف سے کہ کہیں وہ اٹھ نہ کھڑے ہوں۔ برادران وطن کو تعلیم، انتظامیہ اور تجارت کے میدان میں خوب بڑھایا اور لمبی پلاننگ کے ساتھ انھیں ہر طرح کی سہولیات ملیں کہ ان کے جانے کے بعد حکومت کے وارث بن جائیں۔ ۱۸۸۰ء تک مسلمان مستقلا استعمار کے انتقام کا شکار رہے۔ اس کے بعد کچھ راحت ملی، لیکن اس مدت میں مسلمان ہر میدان میں دوسروں سے بہت پیچھے ہوگئے۔ ۱۹۲۰ء تک مسلمانوں نے بہت کچھ رکوری کی۔ لیکن اس وقفے میں برادان وطن بہت آگے جاچکے تھے اور ''ہندتو'' کی مخفی جہود ومشکلات نے انھیں پیچھے ڈھکیلنا شروع کیا اور آزادی ہند تک کافی پیچھے ڈھکیل دیا۔

اب مسلمان استعمار کی رعایا بن گئے اور غیر مسلم اکثریت میں اقلیت بن گئے۔ قومیت کے نظریے کے مطابق یہی ہونا تھا۔ ایک ہزار سال تک حکومت کرنے کے بعد محکوم، استعمار کی رعایا اور اکثریت کے درمیان اقلیت تین تین تنزل اور ملک میں قومیت کا نظریہ حاوی اور پھر سیکولرزم جمہوریت، سرمایہ داری وشوشلزم کا ملا جلا نظام۔

مسلم سطوت اور حکومت جانے کے بعد اور عیسائی نما ملحد غاصبوں کے آنے اور اس سے پہلے مغلوں کی مرکزی حکومت کے بکھرنے کے بعد، مسلم سماج کے قائدین وعلماء نے مسلم سماج کو بکھراو سے بچانے کے لئے تدبیریں کیں، جن میں سب سے شاندار شہیدین کی دعوت وجہاد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور اسلامی حکومت کی تنصیب کی کوشش تھی۔ جس کی الگ تفصیل ہے پھر اس کے بعد علماء صادق پور نے سوسالوں تک یہ مشن جاری رکھا۔

اس نئے ماحول میں فکر وخیال کا تنوع پیدا ہوا، آہستہ آہستہ نئے دھارے نکلتے گئے اور نئی مسلکی وفکری شناخت رکھنے والے گروپ وجود میں آ گئے۔ پہلے یہ صورت حال تھی کہ حکومتیں، علماء، طلاب، مساجد اور مدارس کی کفالت کرتی تھیں۔ مساجد اور مدارس میں عوام سے لے کر حکومت کے خدام پیدا ہوتے تھے۔ ملک وسماج کی ساری عسکری، انتظامی، ادبی، دینی اور سیاسی اداروں کی ضرورتیں پوری ہوتی تھیں۔ اس لئے تفاوت فکر ومنہج زیادہ نمایاں نہ ہوتا تھا۔ نہ تنوع کی زیادہ گنجائش تھی، حکومت اور سماج کی ضرورتوں اور منشاء سے آگے کسی کو نکلنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، نہ ماحول اس کی اجازت دیتا تھا۔

جب استعمار حکومت آئی تو مسلم علماء قائدین اور عوام کو ایک نئی صورت حال درپیش ہوئی۔ ایک تو یہ کہ ان سے آزادی کی جنگ لڑنے کے لئے خود کو تیار کرنا پڑا۔ دوسرے یہ کہ مسلم سماج، فرد اور ان کے دین وتہذیب کے تحفظ کی ذمہ داری بھی ان کے سر آ گئی۔ اس تنزل کا اثر یہ ہوا کہ مسجدیں بٹ گئیں، ادارے بٹ گئے، مفادات مختص ہو گئے اور ہر ایک اپنی مسلکی وفکری ترجیحات کے مطابق اپنے محدود دائرے میں تحفظ کے محاذ کو پکڑ لیا۔ نئے رجحانات پیدا ہوئے، روایتی سوچ کے بالمقابل تجدد کے پائے چوبیں نے مسلم سماج میں قدم اٹھائے۔

سید سادات محمد نذیر حسین دہلوی کو ولی اللہی گھرانے سے علمی وراثت ملی تھی اور دوسرے اہم ترین مرحلے میں شہیدین نے اس علمی وراثت کے اندر جلا پیدا کی تھی، امتیاز فکر وعمل دیا تھا میاں صاحب کو ان کا مشن ملا تھا، انھوں نے جو قافلہ چھوڑا تھا میاں صاحب کو وہ قافلہ ملا تھا۔ میاں صاحب نے ولی اللہی گھرانے کی علمی وراثت کو سنبھالا، شہیدین کے نکھار وامتیاز کو پسند فرمایا اور قافلہ دعوت وجہاد میں حسب قدرت وصلاحیت حصہ لیا۔ میاں صاحب کے دور میں اہل حدیثوں کے شاندار علمی، تحقیقی، دعوتی، تعلیمی اور اقامت دین کے تین مرکزی ادارے قائم ہوئے۔ (۱) بھوپال میں عملی وتحقیقی ادارہ، (۲) صادق پور میں امارت شرعیہ کا سیاسی ادارہ، (۳) اور دلی میں تعلیمی ادارہ۔ تینوں بے مثال اور عظیم ادارے تھے اور نہایت موثر۔ اور سب کا ہدف تھا دعوت

دین اور اسلام کی بالادستی۔ اور تینوں باہم کلی طور پر متعاون۔

میاں صاحب کا عملی دوران کی دینی خدمات

میاں صاحب خاندانی مرتبت، شخصی وجاہت، ذکاوت ومحنت، دینی شعور وشناخت، علمی مہارت، موثر تعلیم وتربیت اور دینی استقامت سے سرفراز تھے۔ ان اسباب کے میسر ہونے سے انھیں دینی خدمات کو انجام دینے اور دینی کاز کو فروغ دینے میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس دور میں یہ ان کے امتیازی اوصاف تھے جن کا انھیں بھرپور ثمرہ ملا۔

سید السادات رحمہ اللہ نے ۱۲۴۹ھ میں تعلیم سے کامل فراغت کے بعد عملی میدان میں قدم رکھا۔ اس دور میں تعلیم کا جو نصاب تھا۔ اسے انہوں نے پوری تندہی سے پڑھا اور پورا کیا اور مختلف علوم فنون کو مختلف ماہرین سے بہ تکرار پڑھا۔ اس دور کے علمی معیار کے مطابق انھیں تمام علوم وفنون اسلامیہ میں اپنے ہمعصروں پر برتری حاصل تھی۔ علم وفہم اور ہمت وحوصلہ میں وہ اپنے تمام ہم عصروں پر فائق تھے۔ انسان میدان عمل میں اتر پڑے اور اس کے پاس مشن ہو، دھن ہو، موثر اپروچ ہو، اقناعی صلاحیت ہو، اور اثر انگیز شخصیت ہو، پھر محنت ہو لگاتار جدوجہد ہو، ہدف کو پالینے کا عزم ہو تو ایسے انسان کو کامیابی ضرور ملتی ہے۔

میاں صاحب نرے مدرس نہیں تھے۔ وہ بس ڈگری بانٹنے نہیں بیٹھے تھے۔ انہوں نے تبرکا سند بانٹنے کا شوق نہیں پال رکھا تھا۔ وہ تعلیم کے عصری رویہ سے الگ تھے، وہ کتاب خواں کو صاحب کتاب بنا دیتے تھے۔ کتاب خواں اور صاحب کتاب میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ صاحب کتاب بننے کے بعد انسان کے اندر شعور حیات، ذوق حیات، فکر حیات، جذبہ عمل اور حسن عمل سبھی کچھ آ جاتا ہے اور کتاب خواں عموماً لکیر کے فقیر بن کر رہ جاتے ہیں، فکر وفہم سے عاری، روایتی فکر وسوچ کے حامل اور جب سے امت کے اندر تقلیدی جمود پیدا ہوا ہے، فکر وتدبر، ابتکار وامتیاز سے بے خبر وبے بہرہ ہو گئی ہے۔ جمود وخمول اور ریت ورواج کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ اس جمود کو توڑنا آسان نہیں، اس جمود سے مسلمانوں کی پوری زندگی ٹھہر گئی ہے۔ کاروان حیات بڑھتا رہتا ہے لیکن امت پانچ سو سال پیچھے کی لائن پر کھڑی ہے۔ اس جمود نے مسلمانوں کو علمی، اخلاقی، روحانی، مادی ہر ترقی سے باز رکھا ہے، جہاں کہیں ان سارے میدانوں میں جس قدر جمود ٹوٹا ترقی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئی۔میاں صاحب نے تصنیف کتب کے بجائے تصنیف الرجال،تعلیم الرجال اور تربیت رجال کو اپنی ترجیحی پسند اور ترجیحی مشن میں رکھا۔انہوں نے دعوت وتدریس اور فکر وفہم دین میں جو جمود تھا اسے توڑا۔ایک معلم جب تعلیم میں جمود توڑ دے تو اس کی تعلیم وتدریس میں تربیت اور دعوت کا رنگ آجاتا ہے۔تعلیم وتربیت اور دعوت جب ایک ساتھ چلتے ہیں۔تب تعمیر فرد اور صیاغت رجال ہوتا ہے۔معلم کا رنگ جب محققانہ اور داعیانہ ہو،صیاغت رجال،تعمیر فرد اور تعمیر سیرت اسکا ہدف اولیں ہو اور اس کی خاطر سب کچھ تج دینے کا جذبہ ہو،تب افراد کار پیدا ہوتے ہیں اور کردار کے لوگ سطح حیات پر نمودار ہوتے ہیں۔

نوع بہ نوع خدمات:

نصاب تعلیم،نظام تعلیم،ڈمانڈ،ماحول،روزی روٹی،کیریر،اسکیل،حقوق تدریس،بھتہ، انکریمنٹ پتہ نہیں کیا کیا آج تعلیم کے ساتھ جڑ گئے ہیں۔بھاری بھرکم انفرسٹرکچر آف ایجوکیشن یا تسہیلات تعلیم ہیں،لیکن تعلیمی گراوٹ کا حال یہ ہے کہ سیکولر اداروں میں تعلیم حاصل کر کے انسان نہیں انسان نما گوریلے پیدا ہو رہے ہیں اور دینی مدارس میں نااہلی،جبر،کبر اور خیانت نے ایسا ڈیرا ڈالا ہے کہ ساری تعلیمی سہولیات کا حاصل دو چار فیصد بھی نہیں ہے۔اس کے سوا ہر طرف جمود چھایا ہوا ہے۔

میاں صاحب کا دور ابھی مغربیت کے آغوش میں نہیں گیا تھا۔استعمار آچکا تھا لیکن ابھی استبشار اور استشراق کے فتنوں نے بال وپر نہیں کھولے تھے۔ابھی تک مدرسے کے فارغین ہی کے ذمہ کار حیات اور کار دین تھا۔میاں صاحب کے تعلیمی وتدریسی کمالات اور خوبیاں اتنی نمایاں تر تھیں کہ کمیت وکیفیت ہر اعتبار سے ان کے نتائج ان کے ہم عصروں ہی کے نتائج پر بھاری نہیں تھے بلکہ ہندوستان میں کل اسلامی پیریڈ کی تعلیمی وتدریسی جہود میں کسی بھی عالم سے فائق تھے، پوری اسلامی تاریخ ہند میں اتنا بڑا اور کامیاب معلم اور مربی ان کے سوا کوئی دوسرا میری نگاہ میں نظر نہیں آتا۔خاص کر یہ بھی سامنے رکھیں کہ ماحول مخالفت کا اور کل تعلیمی تربیتی جہود کسی حکومتی سرپرستی کے بغیر۔ان کے مقابلے میں کسی بھی عالم کی تعلیمی وتربیتی جہود اتنا کامیاب نہیں ہیں جتنا ان کی،نہ ان میں کتاب وسنت کا اتنا نمایاں رنگ نظر آتا ہے جتنا میاں صاحب کی جہود میں۔

ہم عصر مدارس میں میاں صاحب کا نصاب بھی ایڈوانس تھا۔ان کا طریق تدریس وتربیت بھی نرالا تھا۔انکا ارتکاز تعلیم وتربیت بھی ممتاز بھی۔پھر ان امتیازات کے نتائج کے کیا کہنے۔

میاں صاحب کے حلقہ درس میں ہر شعبہ حیات اور طبقے کے لوگ آئے امیر بھی آئے، غریب بھی آئے،نوابوں کے بچے بھی آئے،زمینداروں کے بچے بھی آئے،صوفیا کے بچے بھی آئے،خانقاہیوں کے بچے بھی آئے۔اور جو آئے انھیں کے ہو کر رہ گئے۔برصغیر سے بھی طلباء نے آپ سے درس لیا برما،نیپال،افغانستان ماوراء النہر اور بلاد عرب کے بھی طلباء نے آپ سے درس لیا۔یہ بھی امتیاز کی ایک شکل ہے۔

میاں صاحب ۱۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے،ابتدائی تعلیم گھر پر والد محترم سے پائی۔پھر مزید تعلیم کے لیے گھر سے نکلے ۶/ماہ صادق پور میں متوسطہ تک تعلیم پائی۔۱۲۳۷ھ سے ۱۲۴۲ھ تک الہ آباد کانپور اور قنوج میں ۵/سالوں تک سیکھتے سکھاتے رہے۔اعلیٰ تعلیم کے حصول کا جذبہ،عظیم کام انجام دینے کا عزم،عظماء کے زیر سایہ رہنے کی لگن،للک اور دھن نے انھیں دہلی پہنچنے پر مجبور کیا، ان کے اندر شہیدین کی دعوت نے جو ہلچل مچادی تھی اس نے انھیں الہ آباد،قنوج،کانپور یا کسی قصبہ گاؤں اور شہر میں بیٹھنے نہ دیا۔ان کی علمی پیاس،دہلی میں ہی بجھ سکتی تھی۔ان کی بے قراری کو قرار دہلی ہی میں مل سکتا تھا۔اسی لئے سارے کام تعلیم،تدریس،دوستی،وطن اور خاندان کے تمام جذباتی اور قرابتی رشتوں کو توڑ کر آخر کار ۱۲۴۲ھ میں دہلی پہنچ گئے۔پنجابی کٹرہ اورنگ آبادی مسجد میں قیام کیا،۱۲۴۹ھ تک پڑھتے پڑھاتے رہے اور ۱۲۴۹ھ سے اپنی مسند درس اس مسجد میں بچھائی۔یہ مسجد،جامع مسجد سے کچھ بڑی تھی،تقریباً ۳۰ سالوں تک میاں صاحب اس میں پڑھاتے رہے،یہ مسجد موجودہ پرانی دلی ریلوے اسٹیشن کے ایریا میں تھی۔۱۸۵۷ء کے بعد جب پورا محلّہ پنجابی کٹرہ اور اورنگ آبادی مسجد گرادی گئی،تو محلے کے دیگر لوگوں کے ساتھ میاں صاحب بھاٹک حبش خاں اٹھ آئے،یہاں اپنا مدرسہ قائم کیا اور چالیس پینتالیس سالوں تک یہاں ان کا فیض عام جاری رہا۔۱۸۵۷ء کے بعد ایک مختصر سا وقفہ تعطل کا رہا،دلی ویران ہو چکی تھی۔کسی کو اپنے پرائے کا ہوش نہ تھا،بے گھری بے دری عام تھی۔پھر کون سی تعلیم اور کہاں کا مدرسہ۔مگر اس تباہ کن دور میں میاں صاحب کے عزم میں فتور نہیں آیا۔حوصلے کی داد دیجئے۔شہر اور شہر کے لوگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

زیروزبر ہوگئے لیکن میاں صاحب کی شان بندگی، شان بے نیازی اور تعلیم وتربیت کی لگن میں کوئی کمی نہیں آئی۔

اورنگ آبادی مسجد کی تولیت مولانا عبدالخالق (۱۲۶۱ھ) کے ذمہ تھی، وہ ایک مستند اور معتبر عالم تھے۔ انہوں نے میاں صاحب کی نجابت، ذہانت، صالحیت اور علمی جہو دکو دیکھ کر اپنے ساتھ ۱۲۴۳ھ ہی میں لگالیا تھا۔ پھر ان کے ساتھ ۱۲۴۸ھ میں اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا تھا۔ ان ہی کے ساتھ اس مسجد میں دور طالب علمی ہی میں ابتدائی کتابیں پڑھانے لگے تھے۔ ۱۲۴۹ھ سے یہیں مستقل طور پر تدریس کا کام کرنے لگے جو ۱۸۵۷ء تک جاری رہا۔

میاں صاحب کا مدرسہ عوامی تعاون سے چلتا تھا، دہلی کے تاجران کرام، ملک کے دیگر اصحاب ثروت اور بعض دیسی ریاستیں مثلاً بھوپال سے اسے تعاون ملتا رہا۔ یہ مدرسہ اپنے دور میں برصغیر کا سب سے بڑا غیر سرکاری، عوامی، اقامتی مدرسہ تھا۔ طلبہ مختلف مساجد میں رہتے تھے، کچھ مختلف خدمات کے ذریعہ اپنی کفالت کرتے تھے، کچھ طلباء کے لئے لوگوں کے گھروں سے کھانا آتا تھا، کچھ کے لئے مدرسے میں مطبخ سے کھانے کا انتظام تھا۔ چندہ بھی اگر لیتے تھے تو مکمل عظمت علم وعلماء کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ جھک کر اور گر کر کبھی نہیں۔ مولانا جمال الدین وزیر اعظم ریاست بھوپال مشہور اہل حدیث عالم تھے، انہوں نے میاں صاحب سے کہا نواب بھوپال کو تعاون کے لیے درخواست دیجئے، جواب میں میاں صاحب نے فرمایا یہ اللہ کے فقیروں کا شیوہ نہیں ہے ہاں سید والا جاہ سے تعاون لیا بھی اور شکریہ ادا کیا، آپ کے ایک چہیتے شاگرد ''عبدالعزیز صمدنی'' تھے جو برابر مدرسہ کو تعاون بھیجتے رہتے تھے۔ اپنی بیوی کا بھی مدرسہ کو تعاون بھیجتے۔ ایک بار انھیں لکھا کہ عزیزہ کے جیب پر بار بننا پسند نہیں اور ان کے نام سے بھیجی رقم کو واپس ڈاک سے لوٹا رہا ہوں۔ (مکاتیب نذیریہ میں اس قسم کے خطوط موجود ہیں، انہیں دیکھا جاسکتا ہے)

مدرسے کی کل ذمہ داری میاں صاحب کے سر تھی، وہی طلباء کی رہائش، کھانے پینے اور تعلیم کے نگراں تھے۔ وہی مدرسے کا نگراں متعین کرتے تھے، وہی مدرس مقرر کرتے تھے۔ وہی مطبخ کا نظام طے کرتے تھے اور ان کی نگرانی ہر شعبے میں رہتی تھی، سارا نظام تعاون وتشاور سربراہ کی کامل

نگرانی میں قائم تھا۔ خلوص، امانت، جفاکشی، صداقت ہر شعبے میں حاکم، رضائے الٰہی ہر شعبے میں مطلوب، ساری صلاحیتیں حصول مقصد میں لگی ہوئیں، ساری تعلیمی وحدتیں ایک دوسرے سے وابستہ اور ایک دوسرے میں پیوست اور تگ ودو کا حاصل متبع سنت عالم اور داعی کی تیاری، جس کے اندر عظمت کردار بھی ہو اور نشہ علم بھی، جو اپنی ساری طاقت باغ سنت کی نگرانی اور باغبانی میں لگادے۔

دراصل انسان، حکومت، تعلیم، دعوت اور تربیت کے لئے دنیا میں سب سے بہترین سرمایہ ہے۔ یہ حقیقت انسانی زندگی کی ماہیت میں داخل ہے اور دینی سرگرمی اور عملی پروگرام میں شامل ہے۔ اگر خلوص ومقصدیت ہو تو یہ حقیقت خودکار طور پر عمل میں آجاتی ہے۔ اس دور کے ہمارے تینوں اداروں میں علمی وتحقیقی (بھوپال) تعلیمی وتربیتی (دہلی) امارت شرعیہ سیاست (صادقپور) میں یہ چیز داخل تھی۔ ان کی ساری دعوتی، تعلیمی اور سیاسی سرگرمیوں کا موضوع انسان اور خصوصا مسلمان تھے۔ وہ فرد کی اصلاح سدھار اور تربیت پر سارا زور صرف کرتے تھے اور افراد کار تیار کرتے تھے۔ ان کے کام اور انجام کی ایکسیلنسی اور میدان کار کی وسعت حقیقی افراد کار کے سبب قائم تھی۔ اگر دینی وسماجی کام کا موضوع انسان نہ ہو بلکہ پیسہ، شہرت دولت ہو یا سارا انشیاٹیو پاکٹ اور اسٹمک انیشیاٹیو ہو تو نہ کام ہوگا، نہ انجام سامنے آسکتا ہے، نہ افراد کار تیار ہوسکتے ہیں۔ آج کے علمی دینی کاموں کی بے نتیجہ خیزی کی یہی کہانی ہے۔

اگر یہ تفاوت دیکھنا ہو تو میاں صاحب کے دور کے اہل حدیث اداروں اور آج کے اداروں کے درمیان موازنہ کرلیں، سونا اور مٹی کا تفاوت نظر آئے گا۔ ہر شعبے میں، اداروں کے حجم میں، کارکردگی میں، مردان کار میں، انجام کار میں، نیتوں اور محنتوں میں..... جبکہ آج وسائل کی فراوانی ہے، تعداد کی کثرت ہے۔ آج انسان کی ساری سرگرمیوں کا ماحصل جیب وشکم، شہرت، کم ظرفی، موامرت اور خیانت ہے، مادہ پرستی ہے، شور ہے اور ناکردہ کو کارکردگی میں شامل کرنے کی ہوس ہے۔ ڈھٹائی ہے۔ اصرار علی الباطل ہے۔

میاں صاحب کے مدرسے میں پورا نصاب پڑھنے والے بھی آتے تھے۔ احادیث کا درس بھی لینے آتے تھے۔ کچھ ماہ وایام کے لیے مستفیدین کی تعداد بھی ہوتی تھی۔ اور سند اجازہ لینے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

والے بھی آتے تھے، اس طرح اس مدرسے میں سالانہ اوسط طلباء کی تعداد برصغیر کے تمام غیر سرکاری یا نوابی مدارس اور پبلک مدارس سے زیادہ ہوتی تھی۔ مستقلا مدرسہ میں تعلیم پانے والوں یا اس میں داخل ہونے والوں یا میاں صاحب سے مستفید ہونے والوں کو کسی رجسٹر میں مندرجہ کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ پانچ سالوں تک اس کا اہتمام کیا گیا پنجاب کے ایک عالم کا بیان ہے ان کا نمبر اس رجسٹر پر آخری تھا اور ان کا اندراج نمبر بارہ ہزار تھا۔ اس سے میاں صاحب سے مستفیدین کی بعض لوگوں نے اوسط تعداد نکالی ہے۔ ان کے مطابق میاں صاحب کے شاگردوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تک پہنچ سکتی ہے۔ **یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس وقت عالم اسلام میں حدیث کی تدریس کے لئے میاں صاحب سے بڑا کوئی دوسرا مدرسہ نہیں تھا۔**

یہ ایک امتیاز تھا کہ میاں صاحب نے حدیث کی تدریس کا جیسا اہتمام کیا تھا، اس طرح کا اہتمام دور دور تک پورے عالم اسلام میں نہیں تھا۔ اس اہتمام، انہماک اور توجہ کے ساتھ آپ کا بہت بڑا امتیاز یہ بھی تھا کہ انہوں نے وہ حدیث کی تعلیم تحقیقی، تربیتی اور منہجی انداز پر دیتے تھے۔ حدیث کی تدریس میں میاں صاحب کا تیسرا امتیاز تھا اختصاص فن و مادہ، اختصاص فن بہت محنت نچوڑ اور قوت نچوڑ کام ہے، خاص کر جب اس کے پیچھے دعوت و تربیت، اصلاح فرد و سماج اور ابلاغ حق ہو۔ وہ دور جس میں سارا ملک خرابے میں تبدیل ہو چکا تھا، اساطین علماء مایوسی کے شکار تھے، یا حرمین کی ہجرت کر گئے تھے یا کر رہے تھے، یا خانقاہوں میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔

میاں صاحب کے درس حدیث کا چوتھا امتیاز تھا مذاہب فقیہہ کا فقہ السنہ سے موازنہ۔ میاں صاحب کے تدریسی حالات کو سامنے رکھنے اور پڑھنے سے جو چیز ہمارے سامنے نکھر کر آتی ہے وہ میاں صاحب کی تدریس حدیث کے چاروں امتیازات ہیں۔ اہتمام عظیم، تحقیق، اختصاص اور موازنہ، اہتمام، اختصاص، موازنہ اور تحقیق مستقلا حسب ضرورت۔ یہ چاروں امتیازات میاں صاحب کی تدریس میں بروئے کار رہتے تھے، بسا اوقات تحقیق و موازنہ کبھی کبھی کئی کئی دن زیر عمل رہتا تھا، دہلی میں موجودہ کتب مراجع مہیا کی جاتی تھیں اور کبھی لال قلعہ کے شاہی کتب خانے تک رجوع کیا جاتا تھا۔ ان چاروں امتیازات میں ایک ایک امتیاز اتنا موثر تھا کہ اس سے تلامیذ کی فکر کی قلب ماہیت ہو جاتی تھی۔ اور ذہین طلباء تو کردار اور فکر و فہم کا نیا پیکر اختیار کر لیتے تھے، اہتمام

کی بات لیں، درس حدیث فجر سے عشاء تک جاری رہتا، کبھی یہ کتاب کبھی وہ، اندازہ لگائیے اہتمام کا، جس مدرسے میں ۱۴ گھنٹہ تعلیم ہو اور روز ہو، ناغہ کا سوال نہ ہو، گولے برس رہے ہوں، جنگ بپا ہو، پھر بھی درس نہ بند ہو، وہاں تعلیم و تربیت اور اصلاح و سدھار اور علوم کے لئے ہمہ تن وابستگی کا کیا ماحول ہوگا۔ اس وقت کی ایک سال کی تعلیم اوقات اور کمیت دروس کے اعتبار سے آج کے چار سال کی تعلیم کے برابر ہے اور کیفیت کا حال نہ پوچھئے، پہلے کہا گیا، کیفیت کا موازنہ سونا اور مٹی کا موازنہ ہے، اہتمام کا یہ حال کہ شدید بڑھاپا، دردسر، ٹانگوں میں درد پھر بھی لگن اور مشن برقرار۔

اسی کیفیت تدریس، کمیت تدریس اور امتیازات تدریس کا اثر تھا کہ جو آیا متبع سنت، تقلید کا منکر، منہج کا حامی اور داعی سنت بن گیا۔ اس کی روح جاگ گئی۔ اس کا مقصد حیات طے ہو گیا، اس کے اندر جانفشانی کا جذبہ جاگ اٹھا۔ اس کی وابستگی فروغ سنت سے اور مرکز علم و معرفت سے اور استاذ سے ایسی ہو گئی کہ یہ وابستگی آخری دم تک قائم رہی۔

میاں صاحب کی تدریس کے اثرات برصغیر کے سوا دیگر ممالک تک پہونچے۔ برصغیر میں ان کی تدریس کے اثرات ہمہ جہتی طور پر ظاہر ہوئے، میاں صاحب کی درسگاہ سے تعلیم پائے علماء کرام میں زبردست داعی کامیاب مدرس، بے مثال محدث، نمایاں مفسر، بہترین ایڈمنسٹریٹر، مضبوط مناظر، تجربہ کر صحافی، اچھے قلمکار، منجھے ہوئے سیاست کار، ادیب، شاعر، مقرر اور خطیب پیدا ہوئے۔ میاں صاحب سے قبل عصور میں اتنی متنوع صلاحیتوں اور موثر شخصیتوں کے حامل لوگوں کی بہت کم مثالیں نظر آتی ہیں، دارصل یہ کامل اخلاص اور بے مثال جدوجہد کے نتائج تھے اور رب کریم کا عطیہ تھا جو میاں صاحب اور انکے شاگردوں کو ملا۔ میاں صاحب کے وہ شاگردان کرام جن کا تذکرے اور تاریخ کے کتابوں میں نام نہیں ہے، ان کی دعوت و تبلیغ کے کارنامے آج کے بڑے بڑے اداروں اور تنظیموں پر بھاری ہیں۔

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا محمد شمس الحق ڈیانوی، مولانا رفیع الدین شکرانوی، مولانا عبدالروف داناپوری، مولانا عبداللہ غازی پوری، مولانا شاہ عین الحق پھلواری، مولانا محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبدالسلام مبارکپوری، مولانا عبدالمنان وزیرآبادی، مولانا عبدالجبار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غزنوی، مولانا بارک اللہ لکھوی، مولانا ابوالحسن سیالکوٹی، مولانا احمد حسن دہلوی، مولانا وحید الزماں حیدرآبادی، مولانا عبدالعزیز صمدنی، مولانا سلامت اللہ جیراجپوری، مولانا بشیر احمد سہسوانی، مولانا عبدالباری سہسوانی، مولانا محمد حسین بٹالوی، قاضی سلیمان منصور پوری، قاضی طلا پشاوری، مولانا محمد مچھلی شہری، مولانا عبدالحکیم نصیر آبادی، محدث عبدالرحمٰن سہارنپوری، مولانا محمد سعید بنارسی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا سیف بنارسی، مولانا ملیح آبادی، مولانا حفیظ اللہ بندوی وغیرہم جیسے اساطین میاں صاحب کی درسگاہ سے اٹھے۔ اگر تلاش کریں تو دور دور تک ان کے علم وعمل کی مثال ملنی مشکل ہے۔

افراد ہی نہیں میاں صاحب نے بہت سے علمی گھرانے پیدا کر دیئے۔ غزنوی گھرانہ، لکھوی گھرانہ، مئو کے شاگردان کرام، خانپور کا قاضی گھرانہ، غازی پوری گھرانہ، ڈیانوی گھرانہ، مولانا سعید بنارسی گھرانہ، سہسوانی گھرانہ، صاحب تحفہ اور صاحب سیرۃ البخاری گھرانہ، صدری گھرانہ، یہ گھرانے مسلک کے لئے قلعہ بن گئے۔ ان گھرانوں نے علمی، دعوتی، تدریسی سیاسی سماجی اصلاحی ہر نہج سے کتاب وسنت کی اصلی تعلیمات کو فروغ دیا اور پورے برصغیر میں اخلاقی دینی اجتماعی دعوتی تعلیمی ہر نہج سے مؤثر رہے۔

میاں صاحب کے شاگردان کرام برصغیر میں صحیح دینی شناخت بنانے اور علم ودین کو پروان چڑھانے میں انتہائی کامیاب تھے، یہی نہیں بہت سے خطے اور دیار ان کے سبب خاص شناخت کے حامل بن گئے۔ بنگال، بہار، جھارکھنڈ، اتر پردیش، پنجاب، گجرات کے کئی علاقے اور اضلاع الگ شناخت سے پہچانے گئے۔

میاں صاحب نے شاگردان کرام کی ایسی کھیپ تیار کردی کہ برصغیر کے ہر خطے میں ان کی پہنچ بن گئی۔ انہوں نے جہاں قدم رکھا دین کا اجالا پھیلایا اور اصلاح ودعوت کا نمایاں کام کیا۔ ان کے شاگردان کرام کے کئی طبقے تھے، انہوں نے اپنے خطے میں جا کر دین کی بے مثال خدمت کی سنت کا اجالا پھیلایا۔ علم دین کا چرچا کیا، شرک وبدعات کو مٹایا۔ لوگوں کی تربیت کی، اسلامی طریقے پر زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھلایا، ریت، رسم ورواج کے ان گنت طریقوں کو ختم کیا، اس متبع سنت عالم گروہ نے حقوق معاملات لین دین، عقیدہ وعبادت، تجارت، معیشت وآداب

واخلاق سب کو صحیح اسلامی شیپ دیا۔ بلکہ پورے برصغیر کو نشاط تازہ سے بھر دیا، جس کے سیاسی، جغرافیائی، تہذیبی اور سماجی زبردست اثرات مرتب ہوئے اور آج تک برقرار ہیں۔

میاں صاحب نے جن علماء کرام کو تیار کیا انہوں نے صادق پور کی سیاسی امارت شرعیہ کے ادارے، بھوپال کے علمی وتحقیقی ادارے کے ساتھ بھرپور تعاون کیا، بلکہ تینوں باہم گھل مل گئے اور سبھوں نے مل کر اہل حدیثوں کی ایک پہچان بنادی۔ انفرادی زندگیاں تو بدلیں ہی۔ ان کی اجتماعی زندگی کی پہچان بن گئی، اتباع سنت، شب بیداری، حلال کمائی، تحقیق حق اور شرعی نظام کا قیام ان کی پہچان تھی اور یہی ان کے پروگرام اور ترجیحات میں شامل تھیں۔

یہی پہچان سارے اہل حدیث قیادی گروپ کی تھی۔ برطانوی استعمار ایک غاصب حکومت تھی اور ارض ہند، ارض مغتصبہ تھی۔ اور عوام دشمن اور دین دشمن، دارالحرب ودارالکفر کی فقہی مصطلحات کا اطلاق اس پر نہیں ہوسکتا تھا، اس وقت اس کو دارالحرب کہنا مسلم وجود اور اسلامی اداروں کا انکار بن جائے گا، غاصب استعمار کو بھگانا اور مسلمانوں کو بچانا دونوں واجب تھا، مسلمانوں کو کلیتاً غاصبین کے حوالہ کرنا بھی درست نہ تھا اور حکومت کو تسلیم کرنا بھی درست نہ تھا۔ اس لئے عہدہ قضا وغیرہ لیا جارہا تھا کہ مسلمانوں کا تحفظ قانونی دائرے میں ہوسکے، اس کے جواز کے علماء عظام قائل بھی تھے اور غاصبوں کو لڑکر بھگانا بھی ضروری جانتے تھے۔ میاں صاحب کے وقفہ حیات ووقفہ عمل میں سارے اہل حدیث انگریز مخالف تھے اور ان سے لڑنے میں جان مال کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ اس دور میں اہل حدیث علماء میں صرف مولانا محمد حسین بٹالوی تھے جو انگریز کے بظاہر تحفظ ملت کے نقطہ نظر کے حامی تھے۔ معاہداتی تعامل کے قائل تھے۔ انگریز سے ان کا تعامل دوسروں کی مانند اکتساب زر، جائداد اور منصب کے لئے نہ تھا، ۱۸۵۷ء کے بعد اپنے فہم کے مطابق ان کی ایک مجبوری تھی۔ ان کا انگریزوں کے ساتھ یہ تعامل اپنے اور اغیار کی جاسوسیوں کا جواب تھا سارے اہل حدیث مخالفین ان کو فنا کرنے کے لئے ہمیشہ انگریزوں کے لئے وہابی باغی کے حوالے سے ان کے خلاف رپورٹیں لگاتے رہتے تھے۔ سارے علماء، صوفیاء مشائخ کا یہی وطیرہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سارے اہل حدیثوں کے خلاف وہابی بنام باغی کے نام سے اتنے رسالے فتوے اور بیانات صادر ہوئے اور اتنی رپورٹیں لگائی گئیں کہ یہ حتمی تھا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سارے اہل حدیث پھانسی پر چڑھا دیئے جائیں گے، مولانا بٹالوی نے ایک طرح سے استعمار سے معاہدہ کیا کہ اہل حدیثوں کو سرکاری کاغذات میں وہابی نہ کہا جائے بلکہ ان کے اصلی نام اہل حدیث سے یاد کئے جائیں، ان کا یہ کام شریعت، سیاست، اخلاق اور قانون کے خلاف نہیں تھا، لیکن کوڑھ زدہ اذہان، اور مریض دل لوگ انھیں طعنہ دیتے ہیں کہ انگریز وفادار تھے اور اہل حدیث انگریز کی پیداوار ہیں۔ یہی نعرہ ان لوگوں کا آج تک ہے جوان کی نوکری کرتے تھے، پولیس انتظامیہ اور فوج میں نوکری کرتے تھے اور ملت کے ساتھ خیانت کررہے تھے، یہ فکری کوڑھ اور دلی روگ آج کی تاریخ کے نام پر بہ تواتر منقول ہے اور اس بدبختی کو تاریخ کہا جاتا ہے اور سارے حزبیت پرست بدبخت درندوں کے پنجے ناخن اور دانت اس خونچکاں داستان سے لہو رنگ ہیں۔ اوران کے قلم زہر افشاں ہیں۔ تاریخ کا یہ المیہ اور ملی غدر وخیانت انگریز پٹھوؤں اور نوکروں کے لئے اب جہاد آزادی بن گئی ہے، والعیاذ باللہ۔ یہ ایک اجتماعی گپ جھوٹ اور خیانت ہے۔ جس نے انگریز پٹھوؤں اور نوکروں کی ذہنیت ہی تباہ کر کے رکھ دی ہے۔

اہل حدیثوں کے یہاں یہ دینی اسپرٹ بہ تسلسل برقرار رہی۔ اوراس طاقت کے سہارے وہ ساری مخالف تباہ کن طاقتوں کے سامنے سینہ سپر رہے۔ اگران کی روحانی، اخلاقی، دعوتی اور علمی مشترکہ جدوجہد نہ ہوتی اور سارے برصغیر میں اسلامی ریاست کے قیام کا لائحہ عمل نہ ہوتا تو وہ کب کے ختم ہوگئے ہوتے، ان کا نام نشان مٹ گیا ہوتا۔

یہ انتہائی قابل تعریف بلکہ امتیازی امر ہے کہ تینوں اداروں کے قائدین کے درمیان کامل ہم آہنگی تھی، پوری تاریخ میں کہیں کوئی ٹکراؤ یا کشاکش یا نظریاتی اختلاف نظر نہیں آتا۔ قافلہ حق کا ہر فرد دینی ذمہ داری کے تحت بھرپور صلاحیتوں کے ساتھ مشن میں لگا ہوا تھا، میاں صاحب کا اپنے شاگردوں کے ساتھ بھرپور تال میل اور خلا ملا رہا۔ ہر کام میں مشاورت اور تعاون رہا۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے عموماً صرف روحانی تعلقات استاذ اور تلامذہ کے درمیان رہ جاتا ہے۔ نبوی نظام میں ہی ایسا ہوتا ہے کہ اتباع اور تلامذہ بلا کسی قاعدہ قانون اور بلا جبر واکراہ رضا کارانہ طور پر کسی مشن کی تکمیل میں لگ جاتے ہیں احتساب اور پکڑ کے ڈر کے بغیر مثالی کام انجام دیتے ہیں۔

میاں صاحب تعلیم وتدریس، تعمیر فرد وتعمیر سیرت اور اعداد رجال کے ساتھ کبھی کبھی اجتماعی

دعوتی دوروں کا اہتمام کرتے تھے اور وہ سیاسی دورے بھی بن جاتے تھے۔ میاں صاحب کے دوروں کی تفاصیل مذکور نہیں ہیں، لیکن بعض دوروں کا حال معلوم ہوتا ہے، بہار، یوپی اور پنجاب کے دوروں کا ذکر ملتا ہے، خطوط سے بھی آپ کے کچھ دوروں کا حال معلوم ہوتا ہے، غیر منقسم پنجاب ضلع حصار میں سلیمان روڑی والے کے ہاں تشریف لے جانے کا ذکر ملتا ہے۔ ان دوروں پر انگریزوں کی کڑی نظر رہتی تھی، لیکن احتیاط کے تقاضے ہمیشہ پیش نگاہ رہتے تھے۔

تدریس کے سوا میاں صاحب فتوی نویسی بھی کرتے تھے۔ شاہ اسحٰق رحمہ اللہ کے پاس دور تلمذ ہی میں انھیں فتوی نویسی میں مہارت حاصل ہوگئی تھی، اس وقت شاہ صاحب کے پاس آئے فتاوی کا جواب وہی لکھتے تھے۔ اور ایسا بھی ہوا کہ شاہ صاحب سے بعض فتاوی کے جوابات میں غلطی ہوئی میاں صاحب نے حوالے کے ساتھ تصحیح کی تو شاہ صاحب نے تسلیم کرلیا۔

میاں صاحب کی نظر کتب فقہ وفتاوی پر بڑی گہری تھی فہم وفراست اور تفقہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا۔ پبلک کو آپ کے فتاوی پر اعتبار بھی تھا، اس لئے کثرت کے ساتھ آپ کے پاس دینی استفسارات آتے تھے، آپ ان کے جوابات دیتے تھے، ان کے ہم عصروں میں ان سے زیادہ کسی کے فتاوی نہیں ہیں۔ آج جو فتاوی نذیریہ کے نام مجموعہ چھپا ہوا ہے وہ ان کے فتاوی کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ میاں صاحب کا خود بیان ہے اگران کے تمام فتاوی اکٹھا کئے جاتے تو فتاوی عالمگیری سے دس گنا بڑا ان کا مجموعہ ہوتا، ۷۵ سالوں تک انہوں نے فتوی نویسی کا کام کیا، اگر ایک سال میں ایک ہزار فتاوی کو رکھا جائے، تو ویسے ہی (۷۵) پچہتر ہزار فتاوی ہوگئے۔ میاں صاحب کے فتاوی مولانا عبدالحئ لکھنوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی یا دیگر مفتیان کرام کی طرح چندسطری اور بلا حوالہ نہیں ہوتے تھے۔ مدلل ہوتے تھے۔

میاں صاحب نے ہندوستان میں فتوی نویسی کا نیا انداز اختیار کیا۔ نصوص کتاب وسنت اور نصوص فقہ وافتاء پر ان کی گہری نظر تھی، اس لئے وہ مدلل فتوی دیتے تھے اور نصوص کے ساتھ مبرہن۔ عقائد کے باب میں ان کے فتاوی بہت مفصل ہوا کرتے تھے اور خاص کر مسلک سلف صالحین کے مطابق مشکل سے مشکل فتاوی سب آسانی اور تفصیل کے ساتھ آپ کے یہاں مل جائیں گے۔ بہت سے مفتیان کرام کچھ خاص مسائل کے متخصص ہوتے ہیں لیکن یہاں ہر مسئلے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں مہارت اور گہرائی موجود ہے۔

فقہ وفتاوی شریعت نہیں ہوتے، یہ شریعت کو سمجھنے کی انسانی جہود تفقہ اور فہم وبصیرت کا نتیجہ ہوتے ہیں اور انسان کو درپیش مشکلات ومسائل کا دینی حل ہوتے ہیں۔ یہ حلول وقت حالات اور علاقے کے مطابق متفاوت ہوتے ہیں۔ فتاوی میں سائل کے سوالات کا جواب ہوتا ہے، اس کی پریشانی کا شرعی حل ہوتا ہے اور مجیب اس کے سوالات کے دائرے میں محصور ہوتا ہے۔ سائل کے مختلف حالات ہوتے ہیں، بسا اوقات اس کے حالات جبر، اکراہ، اضطرار اور مجبوری کے ہوسکتے ہیں، ایسی حالت میں اسے بھنور سے نکالنا ترجیحی کام ہوتا ہے۔ فتاوی میں تسہیل وتیسیر ایک ماہر اور داعیانہ مزاج رکھنے والے مفتی کا منہج ہوتا ہے۔ منہج سلف کے مطابق افتاء میں ایک شے ''مناولہ'' ہے، یعنی رواج پذیر رویوں اور آراء پر انحصار نہ کرنا، یا حزبیت کا شکار ہوکر زندگی کی راہیں مسدود نہ کرنا، نہ اسے مشکل بنانا۔ مناولہ میں ایک حق پرست مفتی افتاء کو دائرہ شریعت سے باہر نہیں لے جاتا، بلکہ کل شریعت کے فریم میں اسے فٹ کرتا ہے، تجدد، تحریف، تاویل باطل اور تعصب وتحزب کا شکار نہیں ہوتا ہے۔

میاں صاحب کے یہاں افتاء کے سارے خصائص موجود ہیں۔ انہوں نے اجتہادی یا فروعی امور میں بلاتعصب آخری حد تک خلق الٰہی کو آسانی اور سہولت دیتے تھے، لیکن دائرہ شریعت کو تجاوز کرنے کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔ تعصب اور تحزب میں انسان خطا، تعمد، مجبوری، استطاعت عدم استطاعت، غفلت، وہم، تصور، حقیت، مجاز، سہو، نسیان، شک اور بھول چوک کو ایک بنا دیتا ہے۔ حالانکہ شریعت میں ہر ایک کی درجہ بندی ہے اور ہر ایک کے الگ نتائج اور احکام ہیں۔ یہ تمام حالات باشعور ترجمان حق مفتی کے پیش نظر ہوتے ہیں۔ مسلک حق کے ترجمان نے ان تمام امور کو پیش نظر رکھا۔

میاں صاحب کے فتاوی سے عقائد کی صحیح شکلیں نمایاں ہوئیں، اوہام وخرافات اور شرکیات کی وضاحت ہوئی۔ بہت سی مردہ سنتیں زیر عمل آئیں اور بہت سی سنتوں کا احیاء ہوا۔ بہت سارے مسائل جو تحزب اور تقلیدی عصبیت کا شکار تھے، ان کی اصل اسلامی شکل واضح نہ تھی۔ ان کی اسلامی حیثیت نمایاں ہوئی۔ سب سے پہلے میاں صاحب نے مولانا بٹالوی کے استفتاء پر مرزا

غلام قادیانی کے خلاف بہت مدلل فتوی دیا تھا، پھر اس پر برصغیر کے علماء عظام کی تصدیقات ثبت ہوئیں۔

پورے برصغیر میں میاں صاحب کے فتاوی کو بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ اولا انہیں ولی اللہی گھرانے کی علمی وراثت کا وارث تسلیم کیا گیا اور یہ کام کسی دعوے اور طلب کی بناء پر نہیں انجام پایا۔ اس گھرانے کے بہت سے مشہور تلامذہ دلی یا یوپی میں موجود تھے، لیکن کسی کے متعلق علماء وعوام اور وجہا کا ذہن نہیں بن سکا، کہ ولی اللہی علمی وراثت کا وہ وارث ہے، اس وراثت کے وارث ہونے کا عوام وخواص کا مزاج صرف میاں صاحب کے متعلق بن سکا۔ ولی اللہی مسند کا وارث صرف سید السادات دہلی کو مانا گیا۔ اس سلسلے میں جو بحث لوگوں نے خاص کر سندھی نے اٹھانے کی کوشش کی ہے اور مستقل یہ دعوی بن گیا کہ دیوبند اس مسند کا وارث ہے، یہ دعوی اور بحث نہیں بلکہ چھچھورپن کے سوا کچھ نہیں ہے اور اگر میاں صاحب کو مسند ولی اللہی کا وارث نہ بھی مانا جائے تو اس سے فرق کیا پڑتا ہے؟ حالانکہ یہ تاریخی حقیقت کا انکار ہے اور ایک چھچھورپن کو تاریخ کا درجہ دینا ہے۔ میاں صاحب کی خود ایک ہمہ گیر اور جامع شخصیت تھی۔ اجتہاد وبصیرت سے مالا مال، دعوت حق سے سرشار، علم وعمل کا پیکر اور برصغیر میں جعلی سید بھی شیخ الاسلام بن جاتے ہیں۔ میاں صاحب تو اپنے دور کے سید السادات ہیں، کیا برہمنیت کی سرزمین میں جعلی سیدوں کے مقابلے میں ان کی حیثیت نہیں بنتی۔

میاں صاحب کی ان خصوصیات کی بناء پر جہاں ان کی تعلیمی وتدریسی خصوصیات کو شہرہ آفاق حاصل تھا، وہیں ان کے فتاوی کو قبول عام حاصل تھا، میاں صاحب کے فتاوی کے سبب بھی اتباع سنت کا رجحان عام ہوا اور پورے برصغیر میں بہت سے لوگ میاں صاحب سے جڑے۔

میاں صاحب کی دینی مساعی کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ انہوں نے مساجد میں درس قرآن کو رواج دیا اور پھر ان کے شاگردوں نے پورے ملک میں اس نیک کام کو عام کیا۔

برصغیر میں بیچارے اہل حدیثوں کے سوا کسی کو درس حدیث اور درس قرآن سے کہاں شغف رہا، تحریکی قرآن کریم سے شغف دکھلاتے ہیں، لیکن ان کے اس شغف کا ماحصل ہے۔ درس قرآن کے نام پر تعقل پسندی کا تماشا اور جہالت کا تماشا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میاں صاحب کی پبلک فیگر اتنی حسین، وجیہ اور خوبصورت تھی کہ لوگ ان سے جڑتے گئے اور ان سے وابستگی اختیار کرتے گئے۔ میاں صاحب ایک مرد فقیر اور بوریا نشین انسان تھے۔ وہ نہ درباروں سے وابستہ تھے، نہ ایوانوں سے، وہ باہمہ تھے اور بے ہمہ وہ اپنے دور میں سب سے مقبول ترین انسان تھے، ان کی آواز محلوں اور درباروں تک پہونچتی تھی، نوابوں، امراء اور جاگیرداروں میں ان کے قدردان اور ماننے والے اور محبت کرنے والے تھے۔ علماء، فقہاء، صوفیاء، عوام، یتامی اور ایامی میں ان کی پذیرائی تھی۔ وہ بھی میاں صاحب کو خلوص ومحبت سے نوازتے تھے۔ ملک سے لے کر خاندان، کنبہ، قبیلہ، طلباء، علماء پاس پڑوس سب ان سے محبت کرتے تھے اور انھیں دل سے مانتے تھے۔ یہ ایسا امتیاز ہے جو بے نفس فقیر صفت انسانوں ہی کو مل سکتا ہے۔ ان سے نفرت صرف دینی دکانداروں کو تھی۔

میاں صاحب نے فقر کو طرز زندگی کے طور پر اپنا لیا تھا۔ فقر اور زہد طرز زندگی اس وقت بنتے ہیں جب انسان دنیاداری کو ٹھکرادے، مادی مفادات سے آنکھیں پھیر لیے اور بے سامانی کو اپنی پسند بنالے۔ میاں صاحب کا جو دائرہ کار تھا اور خلق الٰہی سے جتنا گہرا تعلق تھا اگر نذرانوں کو روا رکھتے یا طلب گار دنیا بنتے تو جاہ ومنصب اور زر ومال سب کچھ مل جاتا، کسی بھی ریاست میں عہدہ قضا مل جاتا۔ بھوپال ریاست سے قضا کے عہدے کی پیش کش ہوئی، لیکن شیوہ فقر اس کی کہاں اجازت دے سکتا تھا۔ اس فقر نے میاں صاحب کو اتنی کامیابی عطا کی کہ کتاب وسنت کی تعلیم ملک کے ہر گوشے میں پھیل گئی، تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ میاں صاحب کے اتباع کی تعداد ۸۰ لاکھ تک تھی۔ اگر یہ فیگر صحیح ہے تو اس کا مطلب ہے اس وقت برصغیر کی کل مسلم آبادی کا دس فیصد حصہ میاں صاحب کے دائرہ اخلاص اور حلقہ عقیدت میں داخل تھا۔ اس کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ مولانا زکریا کاندھلوی کے ابا جان مولانا یحییٰ مدرسہ امینیہ دہلی میں پڑھتے تھے، انہوں نے مولانا رشید احمد گنگوہی کو خط لکھا کہ وہ دورہ حدیث گنگوہ ہی کرنا چاہتے ہیں دلی میں نہیں۔ دلی کی فضا میں غیر مقلدیت رچی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں دلی اجڑنے تک اس پر سیاسی، علمی، دعوتی اور تعلیمی ہر نا حیے سے اہل حدیثوں کا ہولڈ تھا۔ غیر منقسم ہندوستان میں دلی کا آخری میئر رحمانیہ دارالحدیث دہلی کے ذمہ دار وبانی شیخ عطاء الرحمٰن کے صاحبزادے شیخ حبیب الرحمٰن تھے۔ دلی میں مسلمانوں

کے مسائل کا حل اہل حدیثوں کے پاس تھا۔ مسئلہ بیرسٹر آصف علی کے پاس آتا یا مفتی کفایت اللہ کے پاس آتا حل کے لئے اہل حدیث وجہاء کے پاس پہنچتا۔

میاں صاحب کا ایک عظیم کارنامہ ہے، تقلید کے خلاف ان کی کتاب (معیار الحق)، جمود کامل کے دور میں تقلید کے خلاف کسی مدلل کتاب کا لکھنا آسان نہیں ہے۔ بصیرت وشجاعت سے مالا مال۔ حق گوئی میں دیوانہ اور دعوتی مشن میں فنا انسان ہی ایسی کتاب لکھ سکتا ہے۔ علمی وتحقیقی مباحث تیار کرنا جن کا پبلک سے یا میدان دعوت وعمل سے کوئی ٹچ نہ ہو بہت آسان ہے۔ اس طرح کا کام ایک معمول کا کام ہے۔ کسی تحریر کا تعلق اگر سماج سے ہو میدان کار سے ہو تصحیح وترشید اور اصلاح سے ہو، اس وقت تحریر اور محرر کی آزمائش ہوتی ہے اور داعی جب لائم لائٹ میں ہو، اور دعوت حق میں رکاوٹوں کو دور کرنے پر لگا ہو، باطل اور اصحاب باطل کو عریاں کرنا اس کا مشن ہو تب اونٹ پہاڑ کے نیچے آتا ہے۔ دعوت حق کے میدان کارزار میں باطل اور اصحاب باطل کی تردید سب سے کٹھن کام ہے، اسی لئے (کلمۃ حق عند سلطان جائر) کو اکبر الجہاد کہا گیا گیا۔ سلطان جائر۔ صرف صاحب حکومت ہی نہیں ہوتا۔ سلطان جائر بگڑا ہوا سماج، بگڑے ہوئے لوگ، بگڑے ہوئے علما، نیتا اور اصحاب جبہ ودستار بھی ہوتے ہیں اور دور جمہوریت میں بگڑا ہوا کل جمہور سلطان جائر بن سکتا ہے۔ لیکن بے شعوروں کی پکڑ میں یہ نقاط کہاں آسکتے ہیں۔ جمہور کے دور حکمرانی میں تو سب صحیح ہیں۔ میاں صاحب کی کتاب (معیار الحق) صدیوں کے جمود کے خلاف، اجنبی ماحول، جمود کو بالا دستی حاصل۔ ایسی حالت میں کتاب ایک دھماکہ سے کم نہ تھی۔ وقت کی دینی سوچ اور دینی منہج اور رویے پر روک لگانے کی کوشش ایک کاری وار تھا۔ اس سے علمی حلقوں میں کھلبلی مچی اور بہت سے علماء نے جمود کی برائی کو سمجھا اور اس سے دوری اختیار کی۔ جمود کے خلاف میاں صاحب کی یہی سپرٹ کام کرتی تھی کہ ان کے حلقے کا ایک ایک عالم اپنی بات کی دلیل تلاش کرنے لگا اور اپنی بات کو مبرہن کرنے لگا۔ اسی کتاب کا اثر ہے کہ لوگ استفتاء میں کتاب وسنت کی دلیل مانگنے لگے اور تقلیدی درس گاہوں میں آراء فقہیہ اور اعتقادیہ کے متعلق ترجیح، موازنہ اور دیگر آراء پر نقد وجرح اور جائزہ کا کام ہونے لگا، مناظرے کا بازار گرم ہوگیا، ردوقدح شروع ہوا۔ تفسیر، شروح حدیث اور فقہی مسائل میں دلائل کی تلاش ہونے لگی اور مسلک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی ترجیح پر کام ہونے لگا۔

''معیار الحق'' شاہ اسماعیل شہید کی دعوت کا ایک تسلسل ہے (ایضاح الحق الصریح) پر ردو قدح ہوا، اس کو مبرہن کرنے اور حق کے خلاف تحریروں پر رد کرنے کے لئے ''معیار الحق'' کی تصنیف کی ضرورت پڑی۔ یہ کتاب دراصل وقت کے سب سے بڑے مرض کا علاج ہے۔ دیگر لوگوں کی بڑی بڑی تصنیفات پر یہ کتاب اس لئے بھاری ہے کہ اس نے بیماری پر اور بیماری کے اصل سمپٹم پر وار کیا تھا۔ تقلید کو ایسے پیش کیا جاتا ہے جیسے دینا کا سب اہم اصول اور نظام یہی ہے اور اتباع وتقلید کو ایک بنا دیا جاتا ہے۔ تقلید اگر نا اہلوں کی فکری آوارگی پر وقتی قدغن اور وقتی بندوبست کے طور پر لیا جاتا ہے تو اس کی اباحت پر کس کو کلام ہوسکتا ہے لیکن اس کے برعکس ہے تقلید، بے حسب ونسب۔ تقلید کب شروع ہوئی؟ کس نے شروع کی؟ کیوں شروع ہوئی؟ ان بنیادی سوالوں کا کسی کے پاس جواب نہیں ہے۔ دراصل تقلید نے پوری امت کو بانجھ بنا دیا، روزمرہ زندگی میں فہم، تدبر، ابتکار اور اجتہاد کی صلاحیتوں سے محروم کر دیا، زندگی کو بانکپن اور رعنائی سے محروم کر دیا، تخلیقی صلاحیتوں کو تباہ کر دیا، دین کے اندر الحاد، شرک، بدعات، ریت رواج، قبوریت، اباحیت اور مشائخ پرستی سے بھر دیا۔ فکری انحطاط، تحزب، تعصّبات، فسادات جنگ وجدال سے پر کر دیا، دین کو دکانداری اور زرگری بنا دیا۔ تقلید کو بظاہر ایک معصوم محکم اور دینی فریضہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے، مگر فی الواقع اس سے پوری عملی وفکری زندگی ہی تباہ ہو جاتی ہے۔ تقلید نے تو تشیع، رافضیت اور باطنیت سے زیادہ امت کو نقصان پہنچایا ہے۔ تقلید نے تحریف وتاویل اور جعل سازی کی دکانیں لگا دیں۔ غلو اور بطلان کو فروغ دیا۔ جہلاء غلو پسند باطل پرست اور بدعتی پیدا کئے۔ میاں صاحب نے تقلید کے نبض کو دبایا تو دین کے ٹھیکیدار بلبلا اٹھے حتی کہ مولانا عبدالحئ فرنگی محلی جیسا عالم بھی حکومت سے درخواست کرتا ہے کہ غیر مقلدوں کو قتل کر دینا چاہیے اور معیار الحق کی رد میں کئی کتابیں آ گئیں۔

لطف کی بات یہ کہ تقلید کی مخالفت میں اہل حدیثوں کو ''غیر مقلد'' کا نام دیدیا گیا، وہابیت کے طعنے سے کنارہ کشی پر انگریز کی پیداوار اور تقلید کی تردید پر ''غیر مقلد''، فسادزدہ ذہنیت کو کسی پل قرار نہیں رہتا۔ ''غیر مقلد'' کا نام مفہوم مخالف کے فقہی اجتہادی اصول کے مطابق دیا گیا۔ ظاہر

ہے ہر شے کا مفہوم مخالف نہیں ہوتا۔ صرف اجتہادی امور میں معنی مخالف کی گنجائش ہے جہاں قباحت ہو یا نص ہو، وہاں مفہوم مخالف نہیں چلتا۔ اصل اطاعت رسول اتباع دین اور اطاعت الٰہی ہے عدم تقلید کے مفہوم میں اتباع تو آتا نہیں، تقلید کی گمراہی اسی لئے ہے کہ بلا دلیل کسی کی بھی بات مان لی جائے خواہ وہ ضلالت ہو یا الحاد ہو اور عدم تقلید کا مفہوم ہو بلا دلیل کسی کی بات نہ مانی جائے، اس عموم میں سب آ گئے۔ ظاہر ہے رسول سے دلیل نہیں مانگی جاتی کہ خود ان کی ذات ہی دلیل ہے۔ ایسی صورت میں تقلید بھی گمراہی اور عدم تقلید بھی۔ اس لئے میں اکثر کہتا ہوں تقلید اور عدم تقلید گمراہی کے دو رخ ہیں اور گمراہی کی کوکھ سے پیدا ہوئیں اور گمراہی کی گود میں پلی ہیں، غیر مقلد یا عدم تقلید خارجیت کے اوپر فٹ بیٹھتی ہے، اہل حدیث پر نہیں اس لئے اہلحدیث کو غیر مقلد کہنا امر فسق ہے، مگر افسوس اہل حدیث کے متعلق اور اس کے مسلک کے متعلق لوگ صرف فسق کا کام کرتے ہیں۔ برصغیر میں اہل حدیث مخالفین کے ہاں کتنا تماشا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

یہ بھی برصغیر کا ایک المیہ ہے کہ حضرت شاہ شہید نے تقویۃ الایمان لکھ کر شرک کی بیخ کنی کی تو سارے بریلوی گروپ ان سے ناراض ہو گئے اور دو سو سال کے قریب بیت گئے اب تک ان کی تکفیر کرتے نہ ان کی زبان تھک رہی ہے، نہ ان کا ضمیر چبھن محسوس کرتا ہے بلکہ حضرت شاہ شہید کی تکفیر ان کا وظیفہ بن گیا ہے۔ میاں صاحب نے ان کی تائید میں معیار الحق لکھی، نصوص کتاب وسنت اور علماء کی آراء سے تقلید کی بے اساسی کو واضح کیا تو سارے ڈی گروپ وحدۃ الوجودی، حیاتی ومماتی ناراض ہو گئے اور قریب ڈیڑھ سو سال بیت گئے ان کی اہانت کر کے تھکتے نہیں، اس سرزمین عجائب میں شر کا پودا بہت جلد لگ جاتا ہے اور بہت بارآور ہو جاتا ہے۔

سید السادات نے اپنی صلاحیت، اپنی شخصیت اپنی طاقت وتوانائی کو اصلاح اور فروغ دین میں لگا دیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جب ایک بندہ مومن سچا ہو اور سچائی کی راہ اپنالی ہو اور اس کا مقصد حیات اللہ کی رضا کا حصول ہو اور ہدف اصلاح امت اور فروغ دین ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ''والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا'' کے اصول کے مطابق ہر شے میں توفیق ملتی ہے، وہ یکسوئی کے ساتھ اپنے سارے کام انجام دیتا چلا جاتا ہے اور بہترین نتائج اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے سامنے آتے ہیں۔ جن کو میاں صاحب کے دور کی تاریخ اہل حدیث کی خبر ہے اسے پوری طرح اس کا اندازہ ہے۔

جب اخلاص کامل ہو اور سرفروشی کا جذبہ پورا ہو تو کام آسان ہوجاتے ہیں اور بہت خوبصورت طرح سے انجام پاتے ہیں اور نتیجہ بھی بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ ظاہر ہے سرفروشی قربانی چاہتی ہے اور مقصد اعلی کے پانے کے لئے سب کچھ دینا پڑتا ہے تب کچھ ملتا ہے۔ میاں صاحب نے کیا کچھ کیا اس کا ماجرا مختصرا بیان ہوا لیکن زندگی کا دوسرا پہلو بھی ہوتا ہے راہ حق کی راہیوں کے سامنے رکاوٹیں بڑی ہوتی ہیں اور ان کی آزمائش کڑی ہوتی ہے۔ بڑی ابتلائیں انبیاء پر آتی ہیں پھر درجہ بدرجہ اچھے لوگوں پر۔ زندگی کا یہ فطری عمل ہے۔ جب بھی آواز حق اٹھتی ہے اس کو دبانے کے لئے حق کے دشمن تیار ہوجاتے ہیں۔ میاں صاحب کو راہ حق میں بہت سی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

پروپیگنڈے اور ابتلائیں:

۱۔ سب سے پہلے تو ان کی تدریس کو بے وقعت گردانے کی سعی ہوئی۔ مولانا اشرف علی تھانوی کا ایک خواب ان کے معتقدین بیان کرتے ہیں، تھانوی صاحب کا رجحان بن رہا تھا کہ میاں صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کریں لیکن یہ ان کے نصیب میں نہ تھا، ان کی قسمت میں وحدۃ الوجود کا فلسفہ تھا اور استعمار کا چھ سو روپیہ ماہانہ وظیفہ، ایک مرد فقیر، متبع سنت ان کی نگاہ میں کہاں بچ سکتا تھا۔ رات انہوں نے خواب دیکھا کہ میاں صاحب کے ہاں چھانچھ بٹ رہا ہے۔ انہوں نے نتیجہ نکالا کہ وہاں حقیقی علم نہیں مل پائے گا۔ اس خواب کو یار لوگ بہت اچھالتے رہے، پراگندہ خواب ان کے نزدیک وحی الٰہی سے بڑھ کر ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا خواب کی یہی تعبیر بن سکتی تھی؟ کیا خواب صادق تھا یا جھوٹا تھا؟ وحدۃ الوجودی تصور جو مولانا تھانوی کے لاشعور میں جمع تھا اس نے خواب پر زور باندھا، پھر صوفی صاحب کو سب الٹا نظر آنے لگا۔ اہم بات یہ ہے کہ کیا صورت واقعہ اور خواب دونوں ایک ہوسکتے ہیں اور کیا خواب کو صورت واقعہ کے مدمقابل رکھا جاسکتا ہے، جس درسگاہ سے عظیم آبادی، مبارکپوری، رحیم آبادی، غازی پوری، بٹالوی، سیالکوٹی، امرتسری، ملیح آبادی، بنارسی، غزنوی، لکھوی اور منصور پوری جیسے اعاظم پیدا ہوں۔ ان کے مقابلے

میں کسی توہم پرست کے خواب یا خوابوں کی برات کی کیا حیثیت۔

میاں صاحب کی تدریس کی کمزوری کے متعلق سید عبدالحئ رائے بریلوی نے ''نزہۃ الخواطر'' میں اشارۃ اور (دہلی اور اس کے اطراف۔ انیسویں صدی کے اخیر میں) میں صراحتاً ذکر کیا ہے؟ سوال یہ ہے کہ کیا مذکورہ عظام اور ان کی عملی وقولی شہادتوں کے بعد ایسی باتیں کرنا درست ہے۔ میں نے اس زعم کی رد میں دوبار دور رسالہ لکھا، لیکن چھاپنے والوں نے گم کردیا۔ عبدالحئ صاحب کا یہی رویہ ندوہ پر قبضہ کرنے کا سبب بنا اور عظام کی اصلاحی کوششوں کے باوجود ڈی گروپ کا اس پر قبضہ ہوگیا۔ شبلی وہاں سے نکال دیے گئے، گو یہ ہمیشہ فکری آوارگی کا شکار رہے، انہوں نے شعر العجم میں وحدۃ الوجود اور موازنہ انیس دبیر میں رافضیت کی بولی خوب بولی ہے۔ ''سیرۃ النعمان'' میں حنفیت متحزبہ ''الفاروق'' میں استشراق، اور ''دست گل'' میں عاشقانہ جنون کی بات کی ہے اور ''علم الکلام'' میں معتزلی مزاج نمایاں ہے۔ ہمارے یہاں عجیب رسم ہے، دوسروں کو خوابوں کے سہارے لوگ مسترد کرتے ہیں اور خود خوابوں کے سہارے ساری عملی زندگی کاٹ لیتے ہیں۔ اور خوابوں کی برات آتی اور جاتی ہے اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

میاں صاحب کی اسی عظمت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شہیدین کی شہادت اور ۱۸۵۷ء کے بعد اساطین علم وعلماء ومشائخ حرمین کی طرف ہجرت کرنے لگے، حالات کی شدت اور حالت یاس میں دہلی میں علمی ودینی مشن کی تکمیل کے لئے جمے رہنا استقامت اور حوصلے مندی کی بات ہے۔ یہ بھی میاں کی عظمت کی شہادت ہے۔

۲۔ میاں صاحب کو ڈاؤن گریڈ کرنے، یا ڈسکارڈ کرنے کے لئے پروپیگنڈہ یہ کیا جاتا ہے کہ وہ شاہ اسحاق (۱۲۶۲ھ) کے شاگرد نہیں ہیں۔ اہم سوال یہ ہے کہ بذات خود تلمذ کا سوال کیوں؟ کیا کسی خاص فرد کا کسی خاص فرد سے تلمذ علم اور علمی صلاحیت کے لئے شرط ہے۔ اگر اس کو شرط مان لیا جائے تو علم شخصی اور خاندانی بن جائے گا اور علم کا چرچا ہی سمٹ کر رہ جائے گا۔ نیز اللہ کے فرمان (وفوق کل ذی علم علیم) کے اصول کے خلاف ہوگا۔ اگر تلمذ خاص پر علم خاص کا انحصار ہے تو پھر شاہ ولی اللہ کے گھرانے میں تمام افراد کو علمی کمال وقیادت ملنی چاہیے اور اب تک وہ سلسلہ ان کے گھرانے میں برقرار رہنا چاہیے۔ اور شاہ اسحاق کے شاگردوں کو علمی وعملی اعتبار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے نمایاں رہنا چاہیے لیکن ایسا نہیں ہوا۔

اصل یہ ہے کہ علم میں اجارہ داری نہیں چلتی۔ علم عطاء الٰہی ہے وہ جس پر مہربان ہوتا ہے اسے عالم بنا دیتا ہے دوسرا اصل یہ ہے کہ علم دین سرچشمہ دین بنتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرمالے اگر تلمذ ہی پر سب کچھ منحصر مان لیا جائے تو پھر مولانا عبدالرحمٰن پانی پتی، مولانا عبدالغنی مجددی، نواب قطب الدین خاں محمد تھانوی کو وقت کا مرجع خلائق بننا تھا۔ لیکن پورے برصغیر میں میاں صاحب کے مقابلے میں کسی کا چراغ نہیں جل سکا۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ میاں صاحب کے ذریعے اشاعت سنت اور عمل بالسنۃ کا چرچا جس قدر برصغیر یا دیگر ملکوں میں ہوا وہ وقت اور تاریخ کا ایک شاہکار ہے جو صرف میاں صاحب کو حاصل تھا۔ پورے برصغیر میں وہ جس قدر مؤثر ثابت ہوئے کیا ہندوستان کی تاریخ میں ایسی مثال ہے۔ ان کی دعوت سے برصغیر کا بچہ بچہ متاثر ہوا۔ آج ہندوستان میں امت کی جو فکری و عملی شکل ہے۔ گمراہی اور غفلت کے استثنا کے بعد وہ اثباتی یا ردعمل کی شکل میں میاں صاحب کے جمود کے خلاف لڑنے کے نتیجے میں ہے۔

بات تلمذ کی چل رہی تھی، سید والا جاہ قنوجی کو شاہ اسحٰق سے تلمذ حاصل نہیں ہے اس سے کچھ فرق پڑا؟ ان کو شاہ صاحب سے تلمذ حاصل اس سے بھی کچھ فرق پڑا؟ دونوں کا ایک مشن تھا میاں صاحب کے تلامذہ ہی نواب صاحب کی دعوت حق کی اصل طاقت تھے۔

بے شک تلمذ بڑی کارگر شے ہے آخر دیکھئے نا میاں صاحب کے تلمذ میں کیا طاقت تھی کہ تلمیذ کی قلب ماہیت ہوجاتی تھی۔ ہے برصغیر میں اس تلمذ کی ہے کوئی مثال....؟ لیکن یاد رہے سارے تلمذ یکساں نہیں ہوتے، بہت سے تلمذ تلمیذ کی ذکاوت اور سنس کو مار دیتے ہیں، اس کے فکر وفہم کی صلاحیت کو مفلوج کر دیتے ہیں اور جس تلمذ میں جمود ہو اس سے تو تلمیذ کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔

ایک تاریخی حقیقت کے طور پر یہ طے ہے کہ میاں صاحب شاہ اسحاق کے شاگرد ہی نہیں چہیتے شاگرد تھے۔ یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اس کا انکار بداہت کا انکار ہے۔ میاں صاحب کا اپنا بیان بہ تفصیل موجود ہے۔ انہوں نے شاہ صاحب سے تیرہ سالوں تک استفادہ کیا ہے صحاح ستہ، جامع صغیر اور ہدایہ کے اسباق میں قاری وسامع کی حیثیت سے شریک ہوئے اور

سیکڑوں فتاوی استاد کے لیے رقم فرمائے۔ استاد نے ان سے یہ کام ترجیحی تدریبی اور تمرینی انداز پر لیا۔ آپ کے رفقاء درس کا یہ طے شدہ خیال تھا کہ شاہ صاحب کے وہ چہیتے تھے۔ چہیتے ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے کہ جب مولانا عبدالخالق کی بیٹی سے میاں صاحب کا عقد نکاح ہوا جبکہ اس وقت میاں صاحب تلمذ کے دور سے گذر رہے تھے، شاہ اسحاق اور شاہ عبدالغنی رات ہی کو شاگردوں کے ساتھ اورنگ آبادی مسجد تشریف لائے، نکاح پڑھایا، رات کو ٹھہرے اور ولیمہ کی دعوت کھائی اور نہایت خوشی کا اظہار کیا، وقت کا سب سے بڑا شیخ کیا کسی چہیتے شاگرد کے سوا دوسرے کو ایسا اعزاز بخش سکتا ہے۔

تلمذ کے تعلق سے میاں صاحب کے بیان سے زیادہ مضبوط دلیل اور کیا ہوسکتی ہے؟ اگر اس کا انکار ہے تو پھر کسی حقیقت کا اقرار مشکل ہے، پھر ان کے رفقاء درس، ان کے تلامذہ اور ان کے دور کے تذکرہ نگاروں اور مورخین کا اقرار ہے یہ سارے اعترافات اقرار، شواہد حد تواتر کو پہنچ جاتے ہیں۔ تواتر کا انکار بداہت کا انکار ہے۔

اس تاریخی حقیقت کا انکار دراصل صرف دناءت نفس ہے اور جو شخص شاہ صاحب سے میاں صاحب کے تلمذ کے انکار کو ڈھوتا ہے وہ بس ایک دناءت کو ڈھوتا ہے۔ اس دور میں اجازہ چند لمحوں میں مل جاتا تھا اور آج بھی اور انسان اسے تلمذ مانتا تھا اور آج بھی مانا جاتا ہے۔ یہاں ۱۳/سالوں تک کے استفادے اور دروس میں شرکت کو تسلیم کرنے سے دلوں میں درد ہوتا ہے۔ تاریخ میں ایسی دناءتیں موجود ہیں۔ دراصل اس دناءت کی ٹوکری سب سے پہلے عبدالرحمٰن پانی پتی نے اٹھائی اور ان کی زندگی کا سب سے بڑا مشن یہی تھا۔ کہاوت (المعاصرۃ اصل المنافرہ) سے آگے میاں صاحب کی مخالفت اس بدنصیب کا مشن بن گیا تھا۔ اس شخص نے اس مسئلے پر ایک کتاب بھی لکھ ماری تھی۔ (کشف الحجاب) اس میں اس دناءت کی تبلیغ تھی۔ جب پولیس کمشنر کے پاس اس دنائت کی بات پہنچی اور اس سے باز پرس ہوئی تو صاف مکر گیا اور کہا یہ میری تصنیف نہیں ہے۔ مولانا محمد سعید بنارسی (۱۳۲۲ھ) نے اس جھوٹ کی پردہ دری اپنی کتاب (ہدایۃ المرتاب) میں کی ہے۔

اس دناءت کی بازگشت ایک افسانہ گو امیر خاں کے افسانے (ارواح ثلاثہ) میں ملتی ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس ان پڑھ افسانہ گو نے میاں صاحب کے دوسرے ساتھی نواب قطب الدین کی روایت کو مولانا عبدالقیوم بڈھانوی کے حوالے سے نقل کیا ہے جو شواہد متواترہ کے مقابلے میں کذاب راوی کی روایت سے زیادہ کچھ نہیں مگر افسوس اس خرافاتی کتاب کے دیوانے مولانا اشرف علی تھانوی نے اس جھوٹی روایت پر تبصرہ کر دیا یہ سند تبرک ہے، جن کی بزرگی پر سارے وحدۃ الوجودی جھومتے ہیں، اس شخص کے فکر وفہم کا یہ حال ہے پھر بہ دیگراں چہ رسد۔

اس افسانے پر سارے متھالک فی التعصب اور دنائت کے دیوانے انحصار کرتے ہیں، مشہور ترین متعصب کوثری انوری اور احمد رضا بجنوری نے (انوار الباری) میں اسے اس طرح بیان کیا ہے جیسے اس نے نئی دنیا دریافت کر لی ہے اور اس روایت کے راویوں کو ثقہ بتلایا ہے۔

پانی پتی کی دنائت کو نواب حبیب الرحمٰن شروانی نے رواروی میں سنا اور اپنے حلقے میں لے اڑے۔ ان دونوں کا عجیب حال ہے، پانی پتی تو میاں صاحب سے دو وجہ سے ناراض تھے، شاہ اسحاق کے درس میں ایک نحوی مسئلہ چھڑا، شاہ صاحب نے پوچھا کیا اذاً مفاجات کے لیے آتا ہے، طلباء جواب ہی دے رہے تھے کہ قاری صاحب بول پڑے اذا مفاجات کے لئے آتا ہے۔ میاں صاحب بول پڑے یک نہ شد دو شد۔ پھر کیا تھا غیظ وغضب کی اس سواری پر میاں صاحب دشمنی اس طرح سوار ہوئی کہ زندگی بھر اتری نہیں۔ میاں صاحب کی ساری مدارات کے باوجود یہ شخص زندگی بھر اینٹھا رہا اور اس کی زندگی کا کل مشن بن گیا میاں صاحب کے متعلق جھوٹ پھیلانا۔ پھر ایک واقعہ اور رونما ہوا۔ نواب باندہ کے ہاں ہیڈ قاری ایک قاری فیض ہوا کرتے تھے، عبدالرحمٰن پانی پتی بھی ان کے ہاں ملازم لگ گئے، قدامت کی بناء پر نواب کے ہاں قاری فیض کو تقدم حاصل تھا اور اعتبار وعزت بھی۔ پانی پتی اپنے اس خیال کے مطابق کہ ان کے مقابلے میں وہ علم میں آگے ہیں ان کی تنخواہ ان کے مقابلے میں کم ہے اس لیے کڑھتے تھے، انہوں نے نواب صاحب کو ۲۰ سوالات دیے اور قاری فیض سے ان کا جواب مانگا، سوچا تھا جواب قاری فیض سے نہ ہو پائے گا کہ عالم نہ تھے اس دوران نواب صاحب بنارس کے سفر پر نکل گئے قاری صاحب ساتھ تھے اور سوالات بھی۔ اتفاقاً میاں صاحب کسی سفر سے واپسی میں بنارس میں ایک سرائے میں ٹھہرے ہوئے تھے قاری کو پتہ لگ گیا وہ میاں صاحب کے پاس حاضر ہوئے۔ میاں

صاحب سے انھیں کسی ناحیہ سے تلمذ اور عقیدت کی نسبت تھی ان کے سوالات کے جوابات برجستہ میاں صاحب نے فوراً لکھ کر دے دیے اور پوچھا یہ سوالات کس کے ہیں، بتلایا عبدالرحمٰن پانی پتی کے، فرمایا اسے پتہ نہ چلے، میرا ساتھی ہے بہت غصیلا ہے، یہ واقعہ (۱۲۵۸ھ) یعنی شاہ اسحاق کی مہاجرت سے کچھ دنوں پہلے کا ہے۔ یک نہ شد دو شد۔ ایک واقعہ قریبا آٹھ سال پہلے کا اور یہ واقعہ بالکل مہاجرت کے وقت سے قریب، انجام ظاہر ہے جس فرد کی زندگی پر انتقام اور غصہ کمانڈ کرتا تھا، کیا اس کے انتقام کا وقت نہیں آیا۔ یہی وقت تھا اس کے انتقام کا کہ میاں صاحب کی اپنے زعم کے مطابق تعلیمی استناد ختم کر دے۔ ان کے متعلق بہت مشہور ہے کہ ایک بار سوکھنے کے لئے دستی پھیلا رکھی تھی، ہوا چلتی تھی اپنی جگہ سے دستی اڑ اڑ جاتی تھی اور وہ اسے درست کرتے رہتے تھے، تیسری بار اڑی تو انہوں نے جوتا اٹھایا پیٹا اور چلائے پھر اڑے گی، پھر اڑے گی اخیر میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ یہ تفصیل ہم اس لئے دے رہے ہیں کہ دیکھ لیں ایک عظیم انسان کے خلاف کیسے کیسے عقل سے پیدل لوگ تھے۔ اور کس سطحی دل ودماغ کے مالک تھے۔

ان نواب شروانی کی سنئے، شروانیوں کا پورا گروپ استعمار ٹوڈیوں کا تھا۔ جن کو استعمار کے چہیتے سرسید کے تعاون کے لئے علی گڑھ میں لاکر بسایا گیا تھا تاکہ سب مل کر علی گڑھ میں انگریز وفادار پیدا کریں۔ شروانی صاحب نواب تھے نوابی جاگیرداری اور زمین داری بذات خود عیب کی چیز ہے، انسانیت کی توہین، انسان کی عزت وقار اور لقمہ حیات سے کھیل کرنا ان کا کام تھا۔ نواب والا جاہ اور ان کی مانند لوگوں کے استثناء کے ساتھ کہ اصولا وہ عالم تھے اور عالم ہی رہے۔ ان نواب کی زندگی میں صرف تضاد ہی نظر آتا ہے، ایک طرف علم اور علماء سے دلچسپی اور دوسری طرف نوابی کا غرور، یہ مولانا آزاد کے بھی عقیدت مند تھے اور محمد علی جناح کے بھی، دونوں کے میزبان بننے کا شوق، ان کے ہاں بریلویت بھی تھی اور دیوبندیت بھی۔ ان کی بہن، بیٹی اور پوتی دتاولی کے اہل حدیث گھرانے میں بیاہی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف اہل حدیثوں سے نفرت رگ رگ میں، یہ حج کے لئے نکلے تھے جہاز کراچی بندرگاہ پر رکا۔ کچھ اہل حدیث جہاز پر سوار ہوئے۔ ان کے اوپر ان سے نفرت کا ایسا دورہ پڑا جیسے مرگی کا دورہ پڑتا ہے، انقباض صدر سے دم گھٹنے لگا جناب نے خود اپنے سفرنامے ''الفوز العظیم'' میں اسے تحریر فرمایا ہے، یہی صاحب ہیں جنہوں نے علامہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تقی الدین ہلالی کو ندوہ سے نکلوا دیا تھا۔ ہوا یہ کہ ندوہ کے ارکان کی میٹنگ تھی نواب کی نوابی اور علمی شوشا زوروں پر تھی، ہر جگہ مولویوں پر چھائے رہتے تھے اور اپنی من مانی کرتے رہتے تھے۔ علامہ ہلالی سے ملاقات ہوئی علامہ ہلالی ٹھہرے مضبوط سلفی، عجمی آداب وتسلیمات سے بے خبر، خیر مغرور نواب کو برا لگا، فوراً اعتراض شروع آپ داڑھی کیوں کاٹتے ہیں؟ ہلالی صاحب نے اس اکڑ کا جواب اکڑ سے دیا، کیوں کہ یہ میری داڑھی ہے۔ کہا اس سے طلباء پر برا اثر پڑے گا ہلالی مرحوم نے کہا حدیث اور تفسیر کے اساتذہ کی داڑھی لمبی ہے اس سے اچھا اثر نہیں پڑے گا۔ نواب صاحب چڑ گئے، ضد باندھ لی، گویا ہوئے، ہندوستان میں آپ عربی کو عربی سے کیسے پڑھا سکتے ہیں، یہ وقت اور پیسے کی بربادی ہے سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر سید عبدالعلی نے سید ہلالی رحمہ اللہ کے تعلیمی طریقے کے نتائج کی تعریف کی، لیکن اکڑو نواب کہاں کسی کی سنتا اس نے ہلالی رحمہ اللہ کو نوکری سے برطرف کروا دیا۔ کمیٹی سے اس نے یہ شرمناک فیصلہ پاس کروالیا، سید سلیمان ندوی معتمد تعلیمات اور ڈاکٹر عبدالعلی ناظم تکتے رہ گئے، ان دونوں نے ان کی تنخواہ سو سے ساٹھ کر کے الگ سے ۱۵ر سال کے دس لڑکے انھیں مہیا کئے، چھ مال کے اندر ہلالی رحمہ اللہ نے انھیں عربی بولنا پڑھنا لکھنا سمجھنا سکھلا دیا، اس عربی ٹو عربی میڈیم کے مطابق اس تجربے کے بعد دوبارہ ندوہ میں ان کی معلّمی بحال ہوئی، اس نواب نے مولانا عبدالعزیز میمنی کو ۱۹۴۸ء کے بعد مسلم یونیورسٹی میں ٹکنے نہ دیا، جبکہ دنیا جانتی ہے برصغیر میں عربی مدارس میں عربی بولنے لکھنے کا چلن علامہ ہلالی کے ذریعہ ہوا اور برصغیر میں عصری یونیورسٹیوں میں عربی دراستہ وتحقیق علامہ میمنی کے ذریعہ رواج پایا، چونکہ دونوں سلفی تھے اس لئے اس نواب کے وکٹیمائز ہوئے، اس نواب نے دو شادی کی تھی ایک شاید یونس دتاولی کی بہن سے اور دوسری شادی ایک دوسری خاتون سے جس کو معلق چھوڑ دیا تھا، وہ گھٹ گھٹ کر مر گئی، اس سے ایک لڑکا تھا وہ صابر کلیری نظام الدین اولیاء کے خواجہ تاش کعکی کے مرید اور ایک سلسلہ سے خواجہ معین الدین کے سلسلہ بیعت میں داخل صابر کلیری کے مزار پر پیلی بھیت میں مجاوری کرتے فوت ہو گیا۔

جس دور میں اس بگڑے نواب نے علامہ ہلالی کو ندوہ میں معلّمی سے برخاست کروایا تھا۔ اسی دور میں ۱۹۳۱ء میں معارف میں پانی پتی کے شاہکار جھوٹ کو مقالے کی شکل میں شائع

کروایا تھا اور اپنے بہنوں مولانا یونس دتاؤلی کے اس مسئلے پر استفسار کا جواب دیا تھا۔ جو اپنے دور کے پکے اہل حدیث تھے بلکہ ایک مثالی اہل حدیث، اشاعت سنت کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے والے اس کی بھی لمبی داستان ہے لیکن یہ صفحات اس کے متحمل نہیں ہیں۔ اس کی تفصیل پھر کبھی۔

دنائت کے حاملین کی شخصیت دیکھئے اور خود فیصلہ کیجئے، یہ کس قماش کے لوگ تھے، مسلک اہل حدیث اور اہل حدیث علماء سے کتنا بغض رکھتے تھے اور جہاں موقع ملا ڈنک مارنے سے چوکتے نہیں تھے۔ شواہد اور بیانات متواترہ موثوقہ کو جھٹلا کر اپنی حیثیت گھٹاتے رہتے تھے۔

اس دناءت کے حامل اور اس قافلہ کذب کے زبردست سپہ سالار جناب ایوب قادری تھے۔ یہ محقق گردانے جاتے ہیں لیکن ان کی تحقیق سے ایسا لگتا ہے یہ سپہ سالار بے پر کی جھوٹ کے رسیا تھے اور اس کی تلاش ان کا مقصد اصلی تھا۔ اس شخص کو مسلک اہل حدیث اور اصحاب مسلک سے خونخوارانہ انداز کی دشمنی تھی۔ یہ تاریخ کی ترجمانی نہیں کرتے تھے بلکہ دیوبندیت کی دلالی کرتے تھے۔ دناءت اور چھچھورپن ڈھونے کو تحقیق نہیں کہتے۔ یہ دراصل کالا تعصب ہے جس کے سبب سارے اکاذیب قابل قبول ہیں۔ اس شخص کو خبر تھی کہ اصل حقیقت کیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اصل حقیقت چھپاتا رہا اور اکاذیب کو تحقیق کے نام پر مستند ٹھہرانے کی سعی لاحاصل کرتا رہا۔ اس شخص نے محمد احسن نانوتوی پر ایک کتاب لکھی اور اس میں خود اسے ملا کہ سہارنپور، دیوبند، کاندھلہ، تھانہ بھون، کیرانہ وغیرہ عثمانی صدیقی اور فاروقی شیخ برادری کے سارے علماء مشائخ اور لوگ انگریز نوکر اور انگریز وفادار تھے۔ خود مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کی کتاب ''تذکرۃ الرشید'' اور مولانا زکریا کی ''تاریخ مشائخ چشت'' میں اس کا اعتراف موجود ہے۔ یہ سارے جو آج جنگ آزادی کا ہیرو بننے کا ناٹک کرتے ہیں سب انگریز غلام تھے، مولانا رشید احمد گنگوہی کے ددھیال اور ننھیال کے لوگ انگریزوں کی نوکری کرتے تھے، چپراسی، پولیس، مزدور کا جو کام ملا کیا ''تذکرہ الرشید'' میں اس طرح کی تفصیلات موجود ہیں۔

۳۔ شاہ اسحاق سے میاں صاحب کے تلمذ کا انکار کس لئے؟ اس لئے کہ دہلی کا رخ دیوبند کی طرف پھیر دیں۔ میاں صاحب کے دور میں کسی کو جرأت نہ ہوئی، کہ شاہ اسحاق کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جانشینی کا دعوی کرے، نہ کہیں کوئی دوسرا جانشین تھا جو یہ کلیم کر سکے۔ میاں صاحب کی مقبولیت صلاحیت، زہد واتقا اور عوامی تعلقات کے سامنے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ شاہ اسحاق کی جانشینی کا دعوی کر سکے، ایک صدی بیتنے کے بعد ایک صاحب گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر ۱۹۴۰ء کے بعد رونما ہوئے۔ کمیونزم، وحدت الوجود، ہندوستانی قومیت اور اسلام کا ایک نیا مرکب اسلام پیش کیا ان کو اور ان کی گمراہیوں کو ان کی قوم نے رد کر دیا۔ مگر اہل حدیثوں کے متعلق اس شخص کی ذہنی اپج کو سند مان لیا۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک) اس شخص کی یہ کتاب کلی طور پر محض افسانہ ہے۔ مگر تاریخ سازی کے لے کار آمد تھی اس لئے وہ قابل قبول بن گئی۔ یہیں سے تاریخ کا دھارا ہی بدل گیا۔ مولانا محمد میاں نے ۱۹۳۷ء میں اپنی کتاب (علماء ہند کا شاندار ماضی) شائع کیا، مختصر سی حقیر سی کتاب۔ سندھی کی چوں چوں کا مربہ چھپنے کے بعد جناب کو پوری تاریخ جہاد و دعوت ہتھیانے کا موقع مل گیا اور ناخن کٹا کر شہید بننے کا شوق پورا ہوگیا پھر تاریخ میں اہل حدیث انگریز کی پیداوار بن گئے اور اس کے وفادار۔ اور وقت کے صفر، انگریزوں کے نوکر جہاد آزادی کے ہیرو بن گئے۔ شاہ واللہ کے جانشین۔ پھر برابر اس وقت سے اس جھوٹ کا اتنا تکرار ہوا کہ یہ جھوٹ سن سن کر ابلیس بھی تھک گیا ہوگا۔ مگر ہوا پرستوں کے لیے اس جھوٹ کو حقیقت تسلیم کر لیا گیا۔

سندھی کی ذہنی اپج نے شاہ اسحٰق کو سانحہ بالاکوٹ کے بعد زبردستی کاروان دعوت و جہاد کا سربراہ بنایا اور ہجرت کے وقت ان سے علماء کا ایک بورڈ بنوایا۔ سندھی فرماتے ہیں: (دہلی میں مولانا مملوک کی صدارت میں مولانا قطب الدین دہلوی، مولانا مظفر حسین کاندھلوی اور مولانا عبدالغنی دہلوی کو بلا کر ایک بورڈ بنا دیا جو اس نئے پروگرام کی اشاعت کرنے کے لیے نئے سرے سے جماعتی نظام پیدا کرے، یہی جماعت ہے جو آگے چل کر دیوبندی نظام چلاتی ہے)

حالانکہ یہ بیچارے انگریز نوکر تھے ہندوستان کو دارالاسلام بنائے بیٹھے تھے۔

دیکھئے ایک شخص نے بلامحنت بیک جنبش قلم ایک صدی کی جہود عظیمہ اور نسبت کبیرہ کو کیسے درجہ صفر میں رہنے والوں کی جھولی میں ڈال دیا ہے۔ اس شخص کی گپ کو مکاروں نے تاریخ دعوت و جہاد کا یوٹرن بنا دیا ہے۔ احساس وشعور رکھنے والے بتائیں کہ وہ لوگ جو ایک سو سال کے قریب عظیم دعوتی جہادی مشن سے الگ رہیں، کیا انھیں اس کا حق دار بنانا حق پر ڈاکہ ڈالنا نہیں ہے؟

ایک ڈاکو دولت پر کتنا ڈاکہ ڈال سکتا ہے؟ یہاں پورے برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی ایک صدی تک ہمہ جہتی قربانیوں پر ڈاکہ ڈال دیا گیا اس کا کسی کو احساس نہیں اور خود ہماری جماعت میں پڑھے لکھے بے عقل دنیاداروں اور مفاد پرستوں کے لئے بھی یہ کوئی بات نہیں اس بورڈ کے ذریعہ میاں صاحب کو شاہ اسحاق کی جانشینی سے معطل کر دیا گیا۔ جبکہ تاریخی روایت ہے کہ شاہ اسحاق جاتے وقت میاں صاحب کو اپنا تدریسی اور افتائی جانشین مقرر کر گئے تھے۔

بورڈ کا تصور بجائے خود شاہ اسحٰق کی مرتبت کے خلاف ہے۔ کیا اس کا مطلب ہی یہ نہیں نکلتا کہ کاروان دعوت و جہاد کی قیادت چھوڑ کر بلا عذر مکہ چلے گئے اور یہ عظیم کام ان کو دے گئے جو اس میدان میں رہے ہی نہیں بلکہ وہ انگریزوں کے پالے میں زندگی بھر رہے۔

تاریخ اہل حدیث کو جس طرح سندھی نے پامال کیا، اپنے خبط کو شاہ ولی اللہ کی تحریک بنا دیا اور ان کا جانشین انگریز نوکروں کو بنا دیا، ان سے زیادہ اہل حدیث تاریخ کو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے پامال کیا اور وہ بھی قریباً ۱۹۴۰ھ کے آس پاس ہی۔ ۱۹۴۰ء تک پہنچتے پہنچتے ان کی قلب ماہیت ہو چکی تھی، وہ بستر والی جماعت کے ساتھ بستر اٹھائے پھرتے تھے اور ایک سال ندوہ سے رخصت لے کر یہی کرتے رہے، پھر انہوں نے بڑے میٹھے انداز میں تذکرہ، سوانح، تاریخ اور ندوہ کے محاذ پر جمود کا دامن تھام لیا اور اہل حدیثوں کے خلاف لیپا پوتی کرنے اور وحدۃ الوجودیوں کے عزائم و کرائم گنانے میں لگ گئے۔ ایوب قادری کی علمی دینی اہمیت نہ تھی، سندھی نے تاریخ سازی کی بنیاد رکھ دی لیکن تفصیل میں جانے کی اہلیت نہ رکھتے تھے۔ لیکن یہاں بات ہی اور تھی، سید احمد شہید کا بیک گراؤنڈ، ندوہ پشت پر، باپ اور بھائی کی علمی شہرت، خود جناب کی عربی دانی اور شرافت ونجابت کا جامہ، سبھوں نے ان کو موثر تر بنا دیا۔ پھر انہوں نے عدم منہجیت کی راہ اپنالی اور تاریخ کو تاثراتی خاکہ نگاری کا موضوع بنا ڈالا۔ ایسا لگتا ہے جناب کی ساری زندگی خود پرستی میں گزر گئی، ان کے اسباب شہرت ونجابت نے اہل حدیثوں کو بھی ان کا دیوانہ بنا دیا، جبکہ ان کی ساری زندگی اہل حدیثوں کو زیر و بنانے میں گذر گئی۔ اہل حدیث ان کی تحریریں پڑھتے اور جھومتے رہے، ان کو استقبالیہ دیتے رہے اور خوش ہوتے رہے، ان کے تاریخی گھپلوں کی حد نہیں ہے۔ وہ اتنی چالاکی سے تحریریں لکھتے ہیں اور ایسا ماحول بناتے ہیں جیسے ابھی ابھی ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اوپر سچائی کا نزول ہوا ہے۔ وہ مقدمۃ، ترتیب کلیات اور دلائل کے بغیر نتیجہ نکال لیتے تھے۔ اپنی پسندیدہ صوفی شخصیات کے آؤ بھاؤ کو اتنا ابھارتے ہیں کہ عجمی ذہن اس میں گرفتار ہو کر رہ جائے، اس کے بعد سوال ہی نہ کر سکے کہ دلیل کہاں ہے، حق اور باطل کیا ہے؟ موصوف کی یہی عادت ان کی تمام کتابوں اور کاموں میں ہے۔

ان کی عدم منہجیت کی چند اساسی غلطیوں کو ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ سید شہید سے علی میاں کے ددھیال اور ننھیال کا کوئی لینا دینا نہیں، سید ضیاء النبی کی برانچ کا شہیدین کی دعوت و جہاد سے کوئی خاص واسطہ ہی نہیں تھا۔ یہ سب خانقاہی بن گئے تھے وحدۃ الوجودی صوفیوں اور پڑتاپ گڑھ کے شاہ حلیم عطا کے صوفی گھرانہ سے بیعت تھے لیکن جناب سیرت احمد شہید میں اور تذکرے وسوانح کی تمام کتابوں میں خود کو سید شہید کا جانشین باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تذکرہ علم اللہ شاہ، حیات عبدالحئ، کاروان زندگی، اذاہبت ریح الایمان، المسلمون فی الہند پرانے چراغ سب میں عدم منہجیت موجود ہے۔ حتی کہ تاریخ دعوت وعزیمت میں بھی عدم منہجیت اساس ہے۔

۲۔ ربانیہ لا رہبانیہ سب سے بڑی گھپلے کی کتاب ہے۔ اس میں طریقت کو اہم شے دکھلا کر طریقت وتصوف کو اصل دین بتلانے کی کوشش کی گئی ہے۔

۳۔ ہندوستان کی مذہبی تاریخ پر انہوں نے جب بھی لکھا اور جو بھی چھوٹی بڑی کتاب لکھی جنرل نالج کے طور پر لکھی اور منہجیت وقربانیوں کو نظر انداز کر کے ہاؤ بھاؤ والے انداز میں تصوف اور صوفیانہ کی برتری کو خوب اچھالا۔ ہندوستان کی سب سے زیادہ مؤثر کارآمد اور ہمہ گیر دعوت و جہاد کو بالکل ناقابل ذکر بنا دیا۔

۴۔ ان کی ساری تحریروں میں پرسنلائزیشن بھی بہت زیادہ ہے اور حقائق کے خلاف گرد اڑانے کی ناروا کوشش ہے۔

۵۔ انہوں نے سعودی عرب میں پہلے مولانا زکریا کو لے کر، اور پھر منظور نعمانی کو لے کر تصوف کو سعودی عرب میں پھیلانے کے لئے حکومت سے اعتبار حاصل کیا پھر مولانا منظور نعمانی کو رابطہ کا ممبر بنوایا، جبکہ دونوں ایک جگہ ایک خیال کے۔ جامعہ اسلامیہ کی مجلس شوری میں جمے رہے

اور خود کو سلفی باور کراتے رہے۔ حرمین میں اپنے حلقے کے لوگوں کو آباد کرواتے رہے اور برصغیر کے اہل حدیثوں کو جن کا سعودی حکومت سے شروع سے گہرا مخلصانہ رشتہ رہا انھیں اس سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے اور جعلی طور پر دشمنان سلفیت کو وہاں ٹکانے کے لئے (زاہدانہ چالوں) سے ہر ممکن کوشش کرتے رہے اور بڑی خوبصورتی سے اپنی مخفی چالوں، ڈپلومیسی اور تحریروں سے وحدۃ الوجودیوں کی علمی دعوتی تحقیقی اہمیت کو بڑھاتے رہے اور ان کو برصغیر سے دینی نمائندہ گروپ باور کراتے رہے۔ سعودی عرب ہی نہیں پورے گلف میں ان کی زاہدانہ چال کامیاب ہوگئی۔ عرب کے اخوانیوں کو بھی انہوں نے بے وقوف بنایا اور ان کے ساتھ تلاعب کرتے رہے۔ جناب اپنی تقریر وتحریر سے صرف لوگوں کے جذبات سے کھیلتے رہے۔ اس شخص نے دینی تعلیمی کونسل، دارالمصنفین، ندوہ، مسلم پرسنل لاء بورڈ سب کے ساتھ ناروا سلوک کیا اور انھیں یا تو برباد کر دیا یا کمزور کر دیا۔

۶۔ یہ سعودی عرب حاضر باش صاحب وہاں کا رنگ دیکھتے رہے اور دل میں کسک پالتے رہے، ہندوستان میں اس کی حیثیت کو زیرو بناتے اور اپنے وحدۃ الوجودی بھائیوں کو بھڑکاتے اور سلفیت کے خطرے سے آگاہ کرتے رہے اور ندوۃ ودیوبند کو تیزی سے بڑھانے اور سلفیت کی پیش رفت کو روکنے کے لئے پھڑ پھڑاتے رہے اس کا نتیجہ ہے ان کے اداروں کی تیزی سے بڑھت ہوئی۔

جناب کا یہی متقلب موقف تھا کہ آج ان کے دامن سے وابستہ سلمان حسینی ندوی، سجاد نعمانی، محسن عثمانی اور مرحوم عبداللہ عباس ندوی وغیرہم کے اندر سلفیوں اور سلفیت کے خلاف نیز سعودی عرب کے خلاف حد درجہ جارحیت، عناد اور عداوت ہے اور یہ عداوت ان کا مشن ہے، اگر ان کا سچا موقف ہوتا تو ان کے یہ چہیتے سلفی دشمن سلفیت دشمن اور سعودی دشمن نہ ہوتے۔

اس صدی کے سب سے بڑے اس سندھی جھوٹ کو سرزمین دیوبند میں وحی کا درجہ مل گیا، ان کے زہاد علماء محدثین، مفسرین، مورخین، فقہاء اور مفتیان کرام نے ایک پل نہ سوچا کہ بلا محنت ایک صدی کی دوسروں کی جھوٹ اور نیک نامی کو غصب کرنا حرام ہے۔ ان کو متہم بنانا اشد حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذرے ذرے کا حساب ہے۔ کسی قوم کے متعلق جھوٹی بات لکھنا اور اس کا اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے چپک جانا جرم عظیم ہے اور بہت بڑی نحوست ہے۔ ہمارے اصول وضابطے کے مطابق تاریخ وتذکرے میں ایک ذرہ دھاندلی کی گنجائش نہیں ہے۔ کوئی قوم جرم کا پشتارا لاد کر دنیا میں مگن ہوسکتی ہے لیکن آخرت میں اس کا حساب دینا پڑے گا اس وقت ذہنی اپچ والوں کا حال برا ہوگا۔ ان کی ان جھوٹی تحریروں کا جواب علماء نے دیا ہے لیکن بہت دیر سے اور جزئی طور پر۔

میاں صاحب کی حیثیت ڈپٹی نذیر احمد، انکی اولاد اور منشی ذکاء اللہ اور ان کے گھرانے وغیرہ کی غیر ذمہ دارانہ اور سوقیانہ تحریروں سے بھی دھندھلی ہوئی ہے یہ دنیادار قسم کے لوگ اپنی تحریروں میں اس بندہ فقیر کے متعلق کبھی کچھ لکھتے ہیں کبھی کچھ۔

بہرحال حالات وظروف، شواہد اور بیانات سے یہ طے ہوتا ہے کہ ولی اللہی درسگاہ کے جانشین میاں صاحب تھے، جن مملوک العلی نانوتوی کو شاہ اسحاق کا جانشین بتایا جاتا ہے وہ تو انگریزوں کے قائم کردہ دلی کالج کے مدرس اول تھے اور انگریزوں کے چہیتے، اگر وہ شاہ اسحاق کے جانشین تسلیم کئے جائیں تو دہلی کالج سے تعلق جڑنے کے بعد شاہ اسحاق سے ان کی نسبت ہی ختم ہوگئی۔ اور اگر اب بھی شاہ اسحاق سے ان کی نسبت مانیں تو مدرسہ دیوبند کا سلسلہ انگریزوں سے جڑ جائے گا اور بات تو دراصل یہی ہے کہ دیوبند کے مدرسے کے وابستگان سب انگریزوں کے نوکر تھے اور ہمیشہ انگریزوں سے وفاداری کی سند لیتے رہے جیسا کہ اس دور میں کانگریسیوں سے دفا کی سند لیتے رہتے ہیں۔

میاں صاحب کا خطاب بھی ایک سند ہے کہ وہ شاہ اسحاق کے شاگرد و جانشین تھے اس لئے کہ میاں صاحب کا خطاب شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز اور شاہ اسحاق کو ملا اور دلی کی پبلک نے پیار اور قلبی تعلق کے سبب انھیں یہ خطاب دیا۔ سید السادات کے نام کے ساتھ یہ خطاب ایسا چپکا کہ اصل نام سے زیادہ یہ خطاب پر چلت ہوگیا۔ لیکن اس پر بھی کچھ کم ظرف کہتے ہیں کہ سید السادات لوگوں سے اپنے متعلق میاں کھلواتے تھے تاکہ شاہ اسحاق کے جانشین بن جائیں، کم ظرفی کی بھی حد نہیں۔ فی ذاتہ یہ بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ میاں صاحب شاہ اسحاق کے جانشین ہیں کہ نہیں ہیں، خود میاں صاحب کی شخصیت ایسی بن گئی تھی کہ جانشینی اور عدم جانشینی ان کے لئے کوئی خاص معنی نہیں رکھتی لیکن تاریخی حقیقت بھی کوئی شئی ہے جس کا انکار جائز نہیں۔ اہل حدیث کی اس

گھرانے سے نسبت اور انسیت اس لئے ہے کہ اس نے جمود توڑا، ہمیشہ جمود کے خلاف رہا اور کتب احادیث کی تدریس کا اہتمام کیا۔

(۴) میاں صاحب کی شخصیت کو ڈھانے کے لئے ان پر ایک الزام وقت کے دشمنان سلفیت یہ دھرتے ہیں کہ وہ انگریزوں کے وفادار تھے اور خیر خواہ، انھیں انگریزوں کا وفادار گردان گئے، اس الزام کے لئے ان کے پاس یہ دلائل ہیں:

(۱) میاں صاحب نے ایک انگریز عورت کو انقلاب کے زمانے میں مہینوں اپنے گھر میں رکھا، اور اس کی جان بچائی (۲) اس کے بدلے برٹش گورنمنٹ سے انعام لیا (۳) انہیں انگریزوں نے وفاداری کی سرٹیفکٹ دی (۴) میاں صاحب نے انگریز سے سرکاری عہدہ مانگا (۵) جہاد کے فتوی پر باکراہ دستخط کیا۔ (۶) حج کرنے گئے تو استعمار سے وثیقہ شہریت لیا۔

میاں صاحب کے متعلق یہ ساری باتیں بڑے بڑے نام آور، داعی شیخ الحدیث اور مورخین کے ہاں دہرائی جاتیں ہیں، حق تو یہ ہے کہ اگر ان کے اندر دینی غریت ہوتی تو میاں صاحب کے متعلق ایسی باتیں دہراتے وقت زمین میں شرم سے گڑ جاتے، حیف، یہ باتیں وہ حضرات ذہنی اپچ سے کرتے ہیں جن کے اسلاف نے استعمار کی نوکری اور وفاداری میں عمر کاٹ دی، جن کے پاس دنیاداری کو ترجیحی حیثیت حاصل تھی۔ جن کا ہر چھوٹا اور بڑا استعمار کا غلام نوکر وظیفہ خوار اور جاسوس تھا اور وفاداری کی سرٹیفکٹ حاصل کرتا تھا۔ دیوبن کے سارے ریشم میں ٹاٹ کا پیوند قسم کے لوگوں کو اہل حدیث علماء کو گالی دینا عبادت معلوم ہوتا ہے۔ ان دنوں میاں صاحب کے خلاف انگریزی وفاداری کی تہمت کا وظیفہ ہدہدی ٹوپی والے، فتوی بیچنے والے مولوی حبیب الرحمٰن خیرآبادی، نسوانی بولی بولنے والے مولوی سعید پالن پوری اور مولانا منظور نعمانی کے عیار صاحب زادے خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی زیادہ پڑھتے ہیں۔ حیرت ہے ندوہ انگریز کی دی ہوئی زمین پر کھڑا ہوا اور استعمار سے تعاون لیتا رہا، اس کی بنیاد یوپی کے انگریز عیسائی گورنر نے رکھی، مولویوں نے اس کی مدح کا نغمہ گایا۔ کاشف العلوم نظام الدین استعمار کی عطا کردہ زمین پر بنا، مدرسہ دیوبند انگریز کے وفادار نوکروں نے بنایا۔ فرنگی محل کا مدرسہ انگریزی بلڈنگ میں قائم۔ اس پر زندگی بھر کی شرمساری نہیں۔ دوسروں کے متعلق تقلید کے بندے اجتہاد کرکے، یا جھوٹ بول کر انگریز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وفاداری کا طعنہ ان کو دیتے ہیں جو ایک سو سال تنہا پورے برصغیر میں انگریزوں سے نبرد آزما رہے، یہ بے شرمی ہے یا شرمساری مٹانے کی بے شرمی کا عمل ہے۔

ایوب قادری، پانی پتی کی مانند زندگی بھر دنائت کا بوجھ ڈھوتے رہے۔ انہوں نے اس کو زندگی کا مشن بنالیا تھا، ان صاحب نے کبھی مرد فقیر کی اہانت کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ انہوں نے کئی کتابوں پر ہاتھ صاف کیا ہے کالا پانی، تذکرہ علمائے ہند اوران میں میاں صاحب کے متعلق گل افشانی سے نہیں چوکے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا ان الزامات کی کوئی حقیقت ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ میاں صاحب کے متعلق ایسی تہمتیں پھیلاتے ہیں وہ بذات خود اس قبیلے کے ہیں جن کے بڑے زندگی بھر استعمار کی نوکری کرتے رہے، ملت کے ساتھ غداری کرتے رہے، استعمار سے وفاداری کی سرٹیفکٹ حاصل کرتے رہے اوران سے مراعات مانگتے رہے۔ اگر کبھی پھنس گئے تو جھوٹ بول کر بچتے رہے، جیل چلے گئے، تو انڈا مکھن کے لئے گڑگڑاتے رہے، انھیں میاں صاحب کے متعلق اپنے پیٹ سے پیدا انگریز وفاداری کو اچھالنا علم، انسانیت، اخلاق اور مروت کی توہین ہے۔ ایوب قادری کو وفاداری استعمار سے اگر واقعی نفرت تھی تو انھیں اپنے دیوبندی وجود سے گھن آنی چاہیے تھی اور موجودہ سجاد، سعید اور حبیب جیسے یاروں کو اپنے وجود سے گھن آنی چاہیے۔

اس سے آگے بات یہ ہے کہ میاں صاحب کے متعلق سارے مورخین-جعلی مورخین کے برعکس-کا اس پر اتفاق ہے کہ میاں صاحب استعمار مخالف سلفی گروپ کے قائد تھے، مولانا مہر نے سرگزشت مجاہدین میں اور پروفیسر کلیم الدین نے وہابی موومنٹ میں بہ دلائل ثابت کیا ہے کہ وہ انگریزوں سے لڑنے والے مجاہدین کے سرخیل تھے۔ انگریزوں کی نگاہ میں ان کی یہی حیثیت تھی اسی لئے انھیں راولپنڈی میں ایک سال جیل کی سزا کاٹنی پڑی۔ ہندوستان کی تاریخ جعل سازی میں یاروں کی میاں صاحب کے متعلق جعل سازی دنیا کے عجائبات میں سے ہے، مولانا محمود حسن دیوبندی گھر میں بیٹھ کر صرف انگریزوں سے لڑنے کا خواب دیکھتے رہے، شاگردوں نے مخبری کردی، ہندوستان سے بھاگے دھر پکڑے گئے، جیل گئے مفت میں مجاہد بن گئے اور سارے انگریز نوکر دیوبندی مجاہد آزادی بن گئے اور دوسری طرف ان کو چھڑانے کے لئے استعمار کو خشوع

خشوع کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا گیا، وفاداری کی سند لی گئی اور استعمار سے ان کے لئے سہولیات کے لئے گڑگڑا گڑگڑا کر مانگ کی گئی۔ بیوی سے فریاد کرائی گئی، پورا طائفہ دیوبند فریاد کرتا رہا، سردی میں تاپنے کو کوئلہ اور کھانے کے لئے انڈا اور مکھن چاہیے، وزن کی تفصیل کے ساتھ۔ دوسری طرف جانفشانی کا یہ عالم کہ علمائے اہل حدیث پھانسی پر چڑھ گئے، پوری زندگی جیل میں کاٹ دی، چکی پیستے رہے، پیشاب کے ساتھ خون آ گیا، لیکن اہل حدیث قیدیوں نے استعمار سے گذارش کو اپنے لئے اور مشن کے لئے توہین جانا، بے غیرت اور چھچھورے ہیں وہ لوگ جو قافلہ سرفروشان کو انگریز وفاداری کی تہمت سے متہم کریں۔

میاں صاحب کے متعلق ایک رجحان خیر خواہی کا ہے، مثلاً آپ کے شاگرد فضل حسین مظفر پوری میاں صاحب کو انگریز وفادار ثابت کرتے ہیں، وہ خود انگریز کی نوکری کرتے تھے، اس لئے ان کے نزدیک انگریز وفاداری قبیح نہ تھی اور وہ اس سے بھی متاثر تھے کہ انگریز مخالفت نے کس قدر اہل حدیث وہابیوں کو تباہ کیا تھا۔ انگریزوں کی مضبوط حکومت قائم ہو چکی تھی، دیوبند کے لوگ پہلے سے نوکر اور وفادار تھے، مزے لوٹ رہے تھے، ب گروپ کے علماء اور ماس تو سب سے پہلے استعمار کے لئے وفادار اور سہولت کار بن چکے تھے، یہ دونوں اہل حدیثوں کے خلاف رپورٹیں بھیجتے تھے۔ اور وہابی باغی کے نام پر انھیں قتل کروا رہے تھے، ایسے میں جان آبرو اور گھر، در بچانے کے لئے اندرون ملک کھلی مخالفت اور جارحیت کا رویہ ترک کرنا اور مصالحت کا رویہ اپنانا کیا غلط تھا، ایسا مولانا بٹالوی مولانا فضل حسین کا خیال تھا، اس لئے انہوں نے میاں صاحب کے عمل سے وفادری کا مطلب کشید کیا، اس کے باوجود عموماً اہل حدیث انگریزوں کے خلاف ڈٹے رہے۔

میاں صاحب کی انگریز وفاداری کی سب سے بڑی دلیل لوگوں کے ہاتھ یہ لگی کہ انہوں نے ایک انگریز خاتون کی جان بچائی اور اس سے وابستہ تین دلیل یہ لاتے ہیں کہ اس خدمت کے عوض انھیں انعام ملا، وفاداری کی سند ملی، چوتھی دلیل یہ انھیں ملتی ہے کہ انھیں دنوں انگریز سے جہاد کے فتوے پر میاں صاحب نے دستخط نہیں کیا تھا۔

انگریز وفاداری سے متعلق ان سارے دلائل ایک پس منظر کے ہیں، ان کو وفاداری کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیے دلیل ماننا دلیل کی توہین ہے اور دلیل ماننے والوں کی کم فہمی کی دلیل ہے۔ جس پس منظر میں یہ سارے واقعات رونما ہوئے ۔ وہ پس منظر کیا تھا ۱۸۵۷ء کا حادثہ فاجعہ تھا، انگریزوں کو مار بھگانے کی اجتماعی کوشش کے لئے گراؤنڈ تیار کیا اہل حدیثوں نے، پروفیسر کلیم الدین کی تحقیق کے مطابق کئی سالوں کے بعد یہ گراؤنڈ تیار ہوا، انہوں نے ساری تفصیل دی ہے، ظاہر ہے اس سے میاں صاحب بے خبر نہیں نہ ہوسکتے تھے، انگریزوں کے غاصبانہ قبضے سے ملک کو آزاد کرانے میں وہ قائدوں میں سے تھے۔ لیکن وہ اس سے بھی بے خبر نہ تھے کہ علماء اور وجہاء کس طرح بگڑے ہوئے ہیں، لوگ صرف مفادات حاصل کرنے اور جان بچانے میں لگے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے علماء ومفتیان کرام کا حال برا تھا، ان کی جاسوسی کا ہر طرف جال بچھا ہوا تھا، ایسے ماحول میں ہر باخبر انسان کیا شرح صدر کے ساتھ کسی فتوے پر دستخط کرسکتا تھا۔ اور کیا دنیا پر یہ مخفی ہے کہ اس ناکام جہاد کے بعد سارے برصغیر میں اہل حدیث مارے گئے اور ان پر یکے بعد دیگرے پانچ مقدمات بنے اور انھیں کالا پانی بھیجا گیا، ان کو پھانسی دی گئی اور پورے ملک میں ایک ایک وہابی کو تلاش کرکے مارے جانے کا جتن انگریزوں نے کیا اور ہمارے کرم فرماؤں اہل حدیث مخالفوں نے کی جیسے اب کررہے ہیں۔ خود جہاد کے فتوی پر دستخط کرنے والے۔ ڈی گروپ کے بہت سے اسلاف تھے جو ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیئے بیٹھے تھے۔ ہمیں بڑا افسوس ہوتا ہے جب ہم ہندوستان کی ۱۹ رویں ۲۰ رویں صدی کی مذہبی تاریخ پڑھتے ہیں۔ کل گپ جھوٹ اور لوگوں کی نفس پرستی معلوم ہوتی ہے اور مورخین کے جرائم کی لمبی فہرست۔

پھر بھی یہ طے ہے کہ میاں صاحب کا جہاد کے فتوے پر دستخط ہے اور کلی اتفاق ہے کہ انگریزوں کے ساتھ جہاد ان کا اور ان کے رفقاء وتلامذہ کا مشن تھا اور ربع صدی پہلے سے تھا اس کی قدر نہیں جعلی دستخط کرنے والوں کے متعلق بحث نہیں، کہ وہ جن کا مسلک جہاد تھا ہی نہیں، کیوں دستخط کئے بیٹھے تھے، ظروف واحوال اور شواہد ودلائل میاں صاحب کے حق میں سو فیصد جاتے ہیں کہ فتوی جہاد پر ان کا دستخط تھا، دوسروں کا مسئلہ اللہ کے حوالے، تاریخ کے نہیں کہ اسے جھوٹوں نے مشکوک بنادیا۔ فضل حق خیرآبادی کا جہاد سے لینا دینا تھا نہ فتوی سے، وہ انگریز نواز تھے، شک کی بناء پر پھنس گئے گرفتار ہوئے وہ بھی مجاہد آزادی بن گئے، جبکہ یہ طے شدہ امر ہے اور معتبر مورخین

مولانا امتیاز علی سابق ڈائرکٹر رضاء لائبریری رامپور اور مالک رام کے مباحث نے تاریخی دلائل سے طے کردیا ہے کہ انکا جہاد سے لینا دینا نہیں تھا اور ان کا اعتراف بھی موجود ہے، لیکن کل کے انگریز غلام ان کے سہارے مجاہد آزادی بن رہے ہیں۔

اب رہی انگریز خاتون کو بچانے کی بات تو میاں صاحب کی دوسری فضیلت کبری ہے یہ انگریز وفاداری کی دلیل نہیں ہے، دین سے وفاداری، اللہ اور اس کے رسول سے وفاداری کی دلیل ہے۔ اسلام نے لڑائی میں عورت پر ہاتھ اٹھانے سے منع کیا ہے، میاں صاحب نے اس حکم الٰہی پر عمل کیا ہے۔ انگریز خاتون کے ساتھ اس کے برعکس عمل ہوا تھا۔ اس پر حملہ ہوا اور مردہ مان کر پھینک دیا گیا۔ وہ بے یار ومددگار موت کے منہ میں پہنچ گئی تھی۔ اس کی آہ وکراہ سن کر اللہ کے فقیر بندے دینی ذمہ داری سمجھ کر مدد کرتے ہیں، اسے گھر لاتے ہیں، اس کا علاج کراتے ہیں، اس کی دل جوئی کرتے اور ڈھارس بندھاتے ہیں، اس کو خطرہ ہے اور فقیر بندوں کو خطرہ ہے، کسمپرسی کا ماحول ہے، جاسوس ہر طرف ہیں، فقیر بندے انقلابیوں کے غیظ وغضب اور گستاخیوں کا شکار ہوتے ہیں، یہ بھی ڈر تھا کہ استعمار ان کو ایک انگریز خاتون کو یرغمال بنانے کا جرم ان پر ٹھونک دے اور سیاسی حالت یہ تھی بھی اسی طرح اس خطرناک ماحول میں انگریز خاتون کو اس وقت پناہ ملی اور اس کی تیمارداری ہوئی جب انگریز اول وہلہ میں انقلابیوں کے ہاتھ پٹ چکے تھے۔ اس حالت میں انگریز خاتون کو بچانے کے پیچھے کوئی احمق ہی وفاداری کی بات سوچ اور کہہ سکتا ہے، ظروف بھی میاں صاحب، ان کے سالے اور ان کے شاگردوں کے حق میں جاتے ہیں کہ اول مرحلہ میں جب انقلابیوں کے ہاتھوں انگریز پٹے تھے، اس وقت وفاداری اور خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ کسی احمق کے دل میں پیدا ہوسکتا ہے، حسادا گر اسے میاں صاحب کی انگریز وفاداری اور حصول خوشنودی کہیں تو یہ ان کی حماقت چھچھورپن ہے اور ایک دینی فریضہ کی ادائیگی کی توہین ہے۔ اور ساتھ ہی بے شرمی ہے، خوف الٰہی سے دلوں کے خالی ہونے کی دلیل ہے، ان کی بدذوقی، دینی شعور سے بے خبری اور لطیف دینی حس سے محرومی ہے۔ ایسے ماحول میں انگریز خاتون کی جان بچانے کا واقعہ میاں صاحب اور ان کے شاگردوں اور رشتہ داروں کی عزیمت کی دلیل ہے۔

اس واقعے پر غور کرنے کا اس وقت ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ چند سال پہلے برطانیہ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دہشت گردی کے عنوان سے ایک عالمی کانفرنس کا انعقاد ہوا تھا۔ اس کانفرنس میں کسی مقالہ نگار نے اس واقعے کا ذکر کیا تو اسے کانفرنس کے سارے مشارکین نے سراہا اور اسے فساد زدہ پرخطر حالات میں اسلامی کردار کی عظمت تسلیم کیا۔ لیکن ہمارے یہاں سارے چھوٹ بھیے اسے میاں صاحب کی انگریز وفاداری کی سند مانتے ہیں۔ والعیاذ باللہ

انگریز خاتون کی تیمارداری کرنے، علاج کرنے، اس کے ساتھ حسن معاملت کرنے کے بعد اسے اس کے اہل وعیال کے ہاں بھاری رسک لے کر پہنچا دیا گیا۔ استعمار دشمنی کی حالت میں بھی فقیروں نے اسلامی موقف اور کردار کا ثبوت دیا۔ بدذوق لوگ استعمار کی ممنونیت کو حضرت سیدالسادات کی انگریز وفاداری کہتے ہیں۔ ان حساد کو یہ لطیف دینی حس کہاں مل سکتا تھا اور ان کے پاس یہ صلاحیت کہاں تھی کہ ایسے حساس لوگوں کی اہمیت سمجھیں یہ تو اس فقیر بندے کو منی میں قتل کرنے کی سازش کی مجرمانہ اور قاتلانہ ذہنیت رکھنے والے تھے۔ یہ کہاں اس کے اہل تھے کہ ایک بندہ فقیر کی سرفروشی کو سمجھ سکیں۔

استعمار نے ایک بندہ فقیر کے عظیم کردار کو دیکھا۔ احساس ممنونیت سے پر ہوگیا، اس نے اس عظیم قربانی پر خوش ہوکر سرٹیفکٹ دیا اور چند سو روپے انعام دیئے، استعمار نے انقلاب میں میاں صاحب کا گھر جلا دیا۔ مسجد گرادی، مدرسہ اجاڑ دیا، اس پر ان کو سات سو روپے معاوضہ دیا، اس کی سفارش انگریز خاتون نے کی، ادھر سے نہ مطالبہ، نہ خواہش نہ طلب۔ اسے قبول کرنا کیا کوئی جرم تھا، گھر جلانے کا ہرجانہ آٹھ سو روپیہ اور انعام چار سو روپیہ لینا اور وہ بھی استعماریت کی قساوت ظلم وتشدد اور پھانسی دینے کے دور میں۔ اور یاران مذہب کی اہل حدیثوں کے خلاف جاسوسی کرنے کے دور میں۔ ہرجانہ تو لینا حق تھا اور انعام لینا مروت حق اور مروت کو اگر انگریز وفاداری سمجھا جائے اور امت کے ساتھ غداری، تو ایسے فہم والوں کو پاگل خانے میں رہنا چاہیے۔ اگر ایک نہ لیا جاتا یا دونوں نہ لیا جاتا تو اس دور میں، اس ماحول میں اس کا کیا مطلب تھا۔ ایک طرف استعمار وہابی دشمنی میں پاگل تھا دوسری طرف اہل حدیث دشمنوں پر انگریزوں کے دربار میں انھیں وہابی باغی بنوانے کا پاگل پن سوار تھا، کیا یہ انکار کو استعمار دشمنی، عملی بغاوت نہ مانی جاتی۔ کیا اسی کا مظاہرہ دشمنان اہل حدیث نہیں کرنا چاہتے؟ یہی ان کا منشا نہ تھا کہ اہل حدیثوں کو باغی قرار

دلوائیں اور پھانسی پر چڑھائے جائیں۔ فی الواقع تاریخی حقیقت کے طور پر یہ مان لینا چاہیے کہ اہل حدیثوں کے سوا دیگر ہمارے بھائی آج جس طرح اسلام دشمنوں سے چپکے ہیں، درباروں میں کاسہ لیسی کرتے ہیں اور مفادات کے لئے رنگ بدلتے ہیں، جسے آج سب دیکھتے ہیں، اسی طرح ان کا حال دور استعمار میں بھی تھا، لیکن مفادات کی خاطر ان سب کو چولہ بدلنا خوب آتا ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ میاں صاحب نے استعمار سے عہدہ مانگا تو یاد رہے یہ سراسر دشمنوں کی شیطنت ہے، جسے قاضی القضاۃ عہدہ پیش ہوا، نواب بھوپال شاہجہاں بیگم نے بہت عزت واحترام اور عقیدت سے اس خواہش کا اظہار کیا۔ میاں صاحب نے فقیری اور فقراء کی ہم نشینی کو ترجیح دیا، منصب اور دولت کو قبول کرنے سے معذرت کرلی، وہ اس استعمار سے عہدہ مانگے گا جس کی جڑ کھود دینے کی وہ سرا قیادت کرتا تھا۔ اصل میں جھوٹے بددماغ ہوتے ہیں۔

۵۔ میاں صاحب حج کرنے جاتے ہیں کب؟ ۱۳۰۰ھ میں، انتقال سے بیس سال قبل ۱۸۵۷ء کے پچیس سال بعد۔ ہندوستان میں اب تک وہابیت پر تہمت کی فصل پک چکی تھی، اہل حدیثوں کے خلاف فتاوی کا سیلاب آچکا تھا اور کئی کتابیں اور ان گنت مضامین شائع ہو چکے تھے۔ برصغیر کے سارے قبوری اور وحدۃ الوجودی ان کے خلاف تکفیر قتل، تفسیق، انکار حدیث انکار صحابہ، اعتزال، تشیع، نہ معلوم کن کن دروغ گویوں کا مظاہرہ کر چکے تھے۔ مولویوں کی مہریں بم، قلم نیزہ اور زبانیں تلوار بنی ہوئی تھیں۔ دماغ اتہامات کی فیکڑی بن گئے تھے اور نیتیں خبث باطن کا مظہر۔ یہ آندھی طوفان حرمین میں پہنچ چکے تھے اور وہاں بیٹھے ہوئے بھیڑیئے اس تاک میں تھے کہ میاں صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ جیسے ہی سرزمین مقدس پر اتریں ان کو نوچ کھائیں۔ وہاں وحدۃ الوجودی قبوری اس مقدس کام کو انجام دینے کے لئے پہلے سے تیار بیٹھے تھے، انکا پیشہ ہی یہی تھا کہ جو اہل حدیث وہاں جائے اسے گرفتار کروائیں۔ جھوٹی تہمتیں لگائیں اور شریف حکومت کے زیر عتاب لائیں۔ میاں صاحب اور ان کے رفقاء کے ساتھ یہی ہوا۔ ان کے خلاف گلابی چورقہ تیار ہوا۔ اور ایمان شکن مسائل کو ان کی طرف منسوب کرکے ایک وثیقہ کی حیثیت سے حاجی امداد اللہ، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا خیرالدین (مولانا آزاد کے ابا جان) اور مولانا عبدالقادر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بدایونی نے شریفی حکومت کے سامنے پیش کیا۔ ان تنگ دل، بے ضمیر اور دکاندار مولویوں کی منصوبہ بندی تھی کہ منی میں میاں صاحب کو قتل کرادیں یہ نہ ہوسکا۔ لیکن میاں صاحب اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کروانے میں کامیاب ہوگئے۔ جب حرم آمن میں فسادیوں کا پردہ ان مظلوموں نے چاک کیا تو عزت وخلعت سے نوازے گئے، لیکن رسوائیوں کے خوگر فسادیوں نے چپ بیٹھنا اپنی شکست جانا، پھر لگے جھوٹی خبریں حرمین سے بھیجنے، میاں صاحب قتل کردیئے گئے۔ میاں صاحب نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرلیا، تقلید سے توبہ کرلی اور وہ سب کچھ کیا کہا جو خبث باطن ان سے کہلوا سکتا تھا۔ پورے ہندوستان میں ان کے تعلق سے جھوٹے پروپیگنڈے پھیلانے اور خوشی سے جھومنے کا ماحول۔ یہ تھی بگڑی ذہنیت اور دین کے نام پر بگڑے لوگ، بالکل اسی طرح جس طرح آج دین کی دکانداری کرنے والے وہابیت کا شوشہ چھوڑے، ہر جگہ ساری دنیا میں سلفیوں کے خلاف لکھتے بولتے ہیں۔ فتوی دیتے ہیں، جاسوسی کرتے ہیں، یہی کردار پہلے بھی یہی کرتا تھا۔ اس وقت بھی یہی شدت تھی جیسے آج ہے۔ سفر حج میں ممبئی میں وصی احمد سورتی کی ''جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد'' کے سبب میاں صاحب کے خلاف عوام میں فساد پھیلایا گیا، مناظرے کی دعوت دی گئی۔ اور سفر حج سے واپسی پر دہلی میں ایک دشمن نے استقبال کرنے والوں کی بھیڑ میں آپ سے مصافحہ کے بہانے آپ کی ایک انگلی کو چبا ڈالا۔

ان تفصیلات، تحلیلات اور تجزیئے سے یہ بات طے ہوجاتی ہے کہ مخالفین میاں صاحب نے جن اتہامات، تشکیکات اور شبہات کو میاں صاحب پر وارد کیا ہے۔ وہ تاریخی حقائق سے ذرہ برابر تعلق نہیں رکھتے۔ نہ ان کے اندر اتنا دم ہے کہ کسی حقیقت کے مقابلے میں ایک لمحہ تک ٹک سکیں۔ وہ اس لائق بھی نہیں ہیں کہ تاریخ کا کوئی قضیہ بن سکیں۔ ان کا تعلق دناءت سے جس کو برسوں سے ڈھویا جارہا ہے۔ اگر دناءت کو حسی مادی پیکر دے دیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب مخالفین کی ذہنی کھجلی کے کھرنڈ ہیں اور بس مگر افسوس سوا سو سال سے مخالفین کی نہ کھجلی ختم ہو رہی ہے نہ کھرنڈ ختم ہورہا ہے۔

مسلک اور اہل مسلک پر ستم رانیاں اور میاں صاحب کا دفاعی کردار

میاں صاحب رحمہ اللہ نے جب جمود کے خلاف اپنی تدریس تربیت دروس اور تحریر کے

ذریعہ آواز بلند کی اور اس کے نیچے میں لوگوں کی اصلاح وسدھار ہونے لگی، لوگ حق قبول کرنے لگے تو سارے ہندوستان میں اہل حدیثوں کے خلاف طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ طوفان بھوپال، صادق پور کے اداروں اور علماء کے خلاف بھی اٹھا لیکن طوفان کا مرکز دہلی کو بنایا گیا۔ علماء عظام اور قائدین دعوت کے خلاف تو مخالفت جاری ہی تھی۔ شہیدین کے مخالفین خانقاہیوں، مجاوروں اور پیروں کی شکل میں پہلے بھی موجود تھے۔ میر محبوب علی اور خیر آبادی گھرانا شروع سے ان کا مخالف تھا۔ نئے حالات میں جب اعتصام بالکتاب والسنۃ کی دعوت پھیلنے لگی اور شہیدین کے اتباع کی اتباع سنت شناخت بن گئی اور وہ دن بدن تصوف تقلید رسم ورواج وحدۃ الوجود سے دور ہوتے گئے، ان کا مشن جہاد اور دعوت بن گیا تو عام مخالفت نے سر ابھارنا شروع کیا اور پھر بات مناظروں، رسالوں، کتابوں، صحافتی بیان بازیوں، فتوی بازیوں، اکاذیب اور اراجیف تک پہنچی۔ باطل کا سب سے بڑا حربہ یہی ہوتا ہے۔ حق کے خلاف فتوی بازی کرنا اکاذیب واراجیف کی اشاعت کرنا اور اقتدار تک ان کے متعلق جھوٹی رپورٹیں پیش کرنا اور اسے آمادہ کرنا کہ حق پرستوں کو تہ تیغ کردے۔ سارے باطل پرستوں نے یہ سب کر دکھایا۔

اس مخالفت کی ابتداء جھوٹے پروپیگنڈے سے ہوئی اور یہ کام میاں صاحب کے ایک شاگرد شاہ محمد نے کی ۱۲۹۸ھ میں انہوں نے اپنے شاگرد عبدالغفور کے ساتھ مل کر مطبع حنفی دہلی سے چند مسائل شائع کردیے۔ وہ مسائل کیا تھے ملاحظہ کیجئے۔

(۱) اہل حدیث پھوپھی سے نکاح درست سمجھتے ہیں (۲) خنزیر کی چربی کو پاک سمجھتے ہیں (۳) پاخانہ پاک سمجھتے ہیں (۴) منی میں شکر ملا کر کھانا جائز سمجھتے ہیں۔

یہ مسائل دشمنوں نے شائع کئے اور ان کا انتساب اہل حدیثوں کی طرف کردیا۔ ظاہر ہے اس سے ارتعاش تو پیدا ہونا ہی تھا اس مدت میں ان کی ایک شرارت اور تھی جو خط کی شکل میں پھیلائی گئی۔ اس میں گیارہ مسائل کا اندراج تھا۔ یہ کام اہل حدیث بن کر کیا گیا۔ گیارہ مسائل یہ تھے۔

(۱) رسول پاک ﷺ نے خنزیر کی چربی سے ملا ہوا پنیر بلا پرسش اور تحقیق کھالیا۔ (۲) حنفی شافعی مالکی حنبلی سب مرتد اور کافر ہیں (۳) تمام صوفیاء مثل خواجہ معین الدین، شیخ عطار، شیخ نظام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

الدین اولیاء شیخ عبدالقدار جیلانی کافر ہیں، جہنمی ہیں (۴) فقہ حنفی کی کتابیں ہدایہ وغیرہ گمراہ کن کتابیں ہیں (۵) نقشبندی، سہروردی، چشتی، قادری اسلام سے خارج اور واجب القتل ہیں (۶) بیس رکعت تراویح کی بدعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایجاد کی (۷) بیت اللہ میں شرک ہوتا ہے۔ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی طرح تمام قبوں کو گرادینا چاہیے۔ (۸) امام اعظم معاذ اللہ کافر ہیں، شیخ عبدالقادر (معاذ اللہ) جھوٹے ہیں (۹) مولانا روم، مولانا جامی جمی، سعدی، امیر خسرو نظامی، بہاء الحق سب کافر ہیں (۱۰) سید نذیر حسین صاحب، مولانا شہید رحمہ اللہ، تمام ائمہ اہل اللہ، اولیاء سے افضل ہیں۔ (۱۱) محمد شاہ اور منصور علی ملعون ہیں۔

ان فتنوں کو دہلی میں شاہ محمد اور اس کے ساتھیوں نے جگایا اور آگ لگانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، پورے شہر دہلی میں لوگ چیخ اٹھے، اہل حدیث مخالفین کی کامل دروغ گوئی، جسارت اور فتنہ پروری سے اہل حدیث دنگ رہ گئے، بہت معقول انداز میں ان کے اکاذیب کی تردید کردی گئی۔ استعماری کورٹ سے میاں صاحب کو نفرت تھی، اس کے چکر میں پڑنا انھیں بالکل پسند نہ تھا۔ یہ فتنہ انگریز کمشنر کی نوٹس میں آ گیا۔ اس نے تحقیق کی۔ دہلی کے مطبع حنفی کے مالک نے مسائل کو چھپایا تھا، پردہ ہٹا تو شاہ محمد پنجابی اور عبدالغفور پکڑے گئے۔ اصل مجرم سامنے آئے۔ اہل حدیث لڑائی جھگڑا نہ چاہتے تھے، انہوں نے معقول جواب دے کر صبر کرلیا تھا۔ دلی کی آبادی فتنہ پروروں کی فتنہ پروری سے پریشان تھی۔ اتنے بڑے حادثے کی خبر کمشنر سے چھپ نہ سکتی تھی، اس نے اہل حدیث اور غیر اہل حدیث علماء اور وجہاء کی میٹنگ بلائی۔ اور ان کے درمیان صلح کرادی۔ اس صلح نامے پر فتنہ پردازوں کے دستخط بھی تھے۔ فتنہ پردازوں کو سماج میں امن وسکون راس نہیں آرہا تھا۔ انہوں نے مصالحت اور معاہدے کا پاس ولحاظ کئے بغیر نئے فتنے جگانے شروع کردیئے ''نقض عہد'' کو باہمی گفتگو' بنا کر جائز قرار دے لیا اور تکفیر وتفسیق کا دروازہ کھول لیا۔ اس سازش کے نتیجے میں (جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد) شائع کی گئی۔ یہ چند اوراق کا ایک فتوی تھا جس کو وصی احمد سورتی نے مدراس سے شائع کیا تھا، اس میں اکیس وجوہ کی بنا پر ثابت کیا گیا تھا کہ اہل حدیث کو مساجد اہل سنت سے نکال دینا ضروری ہے۔ ان وجوہ کو اہل حدیث کا عقیدہ ومسلک قرار دیا گیا ہے۔ یہ چند وجوہ درج ذیل ہیں:

(۱) خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے (۲) انبیاء احکام کی تبلیغ میں بھول سکتے ہیں (۳) رسول پاک خاتم النبیین نہیں ہیں (۴) حدیث آحاد سے معجزے نہیں ثابت ہو سکتے۔ (۵) انبیاء احکام تبلیغ میں بھول سکتے ہیں۔ (۶) اجماع بلاسند حجت شرعی نہیں ہے (۷) شیخین حضرت ابوبکر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے دشمنی تھی۔ (۸) ائمہ اربعہ اور صوفیاء کو ماننے والے کافر ہیں۔ یہ تو عقائد کے مسائل ہیں۔

فروعی مسائل میں خلط ملط کر کے الٹے سیدھے اور حرام مسائل کو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ (۱) پانی کتنا کم ہو اگر رنگ بو مزہ نہیں بدلتا تو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا (۲) اہل حدیث کے نزدیک شیر خوار بچے کا پیشاب پاک ہے (۳) پاؤں پر مسح فرض سمجھتے ہیں (۴) استنجا کرنا بدعت ہے (۵) مجامعت سے انزال نہ ہو تو غسل کے بغیر نماز ہو جاتی ہے (۶) تیرہ رکعت سے زیادہ نفل اور ثلث رات سے زیادہ قیام بدعت ہے (۶) تجارت کے مال میں زکاۃ فرض نہیں، اس طرح بھینس بھیڑ میں زکاۃ فرض نہیں (۸) سوتیلی خالہ سے نکاح درست سمجھتے ہیں (۹) ایک سے زیادہ طلاقیں ایک وقت میں دی جائیں تو ایک ہی واقع ہوں گی (۱۰) مرد کے لئے سونے کے سوا باقی زیور درست ہے (۱۲) کسی شے میں سور کی چربی ملی ہوئی ہو تو حلال ہے نیز رسول پاک ﷺ بلا تحقیق اسے استعمال فرمایا ہے۔

اہل حدیثوں کے متعلق یہ سو فیصد جھوٹ شاہ محمد پنجابی اور وصی احمد سورتی نے پھیلائی، اس طرح کے الزامات ''انتظام الساجد باخراج الوہابیین عن المساجد'' میں لدھیانوی مولوی کی کتاب میں بھی ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان دونوں میں دونوں بی اور ڈی گروپ کے تمام بڑے مولویوں کے فتوے، تصدیقات اور ان پر اس کی تصدیقی مہریں لگی ہیں اور دستخط ہیں اور انھیں یہ کرم فرما برصغیر اور برصغیر کے باہر اور خاص کر بھوپال دہلی اور صادق پور کے اہل حدیث علماء، اداروں اور ان کے عقائد ونظریات کے خلاف جہاد اعظم مان کر پھیلاتے پھرتے تھے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ آج بھی ہو بہو انھیں کذبات کو دہرایا جاتا ہے ایسا لگتا ہے دونوں گروہ کے ہر طبقے کے علماء کو تکرار کذبات کے بارے میں ایسا شرح صدر تھا کہ اللہ کی پناہ! وہ اپنی برتری کے لئے انھیں واجب مانتے تھے اور، ہیں اس طرح کی کتابیں رسالے اور فتاوی تحریری اور تقریری طور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پراس کثرت سے اشاعت پذیر ہوئے ہیں کہ ان کا حدوشمار نہیں۔اس سلسلے کو بڑی شدت سے ڈی اورب گروپ میں اسعد مدنی صاحب کی تحفظ سنت کانفرنس ۲۰۰۱ء کے بعد اٹھایا جارہا ہے۔اس ایمان شکن اورنفرت انگیز عمل نے مسلم سماج کو اتنا نقصان پہنچایا ہے کہ عداوت ونفرت نے دلوں میں بسیرا بنالیا ہے اور یہ سلسلہ اتنا دراز اور وسیع پذیر ہوتا چلا گیا کہ عقیدہ، فقہ، تاریخ، رجال، تفسیر، حدیث، اصول حدیث، تذکرے تک پھیل گیا۔یہ نزاع اختلاف سے مناظرہ مجادلہ قتل خونریزی سماجی بائیکاٹ تک پھیل گیا۔آج یہ برصغیر کی امت مسلمہ کا سب سے خونچکاں باب ہے اور یہی اہل مذاہب کی پہچان بن گئی ہے، آج بھی تمام مسالک کے لوگ انھیں نزاعات میں جی رہے۔ خواہ اہل حدیث ہوں یا دیوبندی، بریلوی ہوں یا جماعت اسلامی، شیعہ ہوں یا دیگر گمراہ فرقے۔

حملہ طاقتور کمزور پر کرتا ہے۔مسلکی برتری کی جنگ مخالفین اہل حدیث نے چھیڑی، اہل حدیث اس سے کیسے نمٹے، کیسے مخالفین کی یلغار سے خود کو بچایا، کس طرح اس جہنم زار سے بچے۔ کس طرح مسلک حق کو بچایا۔یہ بہت اہم موضوع ہے اس پر تفصیل سے لکھنے اور محاکمہ کرنے کی ضرورت ہے۔خلافیات کا باب، محض اختلاف رائے کا باب نہیں تھا۔خاص کر اہل حدیثوں کے متعلق۔اگر بات یہیں تک محدود ہوتی تو مسئلہ آسان تھا۔خلافیات کا دائرہ اتہام، اکاذیب، پروپیگنڈہ، عداوت، نفرت، انتقام، تکفیر، تفسیق، قتل، خونریزی، سازش، ابطال حق، مناظرے، مجادلے، سماجی بائیکاٹ اور مقدمات تک پھیلا ہوا تھا، یعنی بات انسانی وجود ختم کردینے اور انسان کو جہنم رسید کردینے اور اہل حدیث مسلک کی نفی کردینے تک پھیلی ہوئی تھی۔جن لوگوں کی نظر اس تاریک باب پر نہیں ہے ان کے لئے یہ سب کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ان کے لئے تو زندگی ہی تماشا ہے۔ان کی زندگی کا مسئلہ ہے پیٹ بھرو اور سورہو۔

اس مسلسل اور مستقل حملے، دھمکی اور یلغار سے اہل حدیث بچے رہ گئے حیرت کی بات ہے۔اس باب میں اہل حدیثوں کو غیر مسلموں سے اتنی اذیت نہیں اٹھانی پڑی جتنی اپنے بھائیوں سے، تاریخ اہل حدیث کے اس خاص وقفے میں انھیں تہ تیغ کرنے اور صفحۂ ہستی سے مٹادینے کے لیے قبوری اور وحدۃ الوجودی دونوں گروہوں نے اپنی سی ساری جدوجہد کرڈالی تھی، لیکن اس وقت کے تینوں اداروں سے وابستہ اہل حدیث علماء نے صبر کا دامن پکڑا اور اکثر کامیاب رہے۔

دراصل صبر ہی کی بناء پر یہ کامیابی حاصل ہوئی۔میاں صاحب کو شدید دشمنی اور اتہمات کا سامنا کرنا پڑا۔لیکن ان کے تعلیمی وتربیتی انہماک اور رضائے الٰہی کی طلب ان نامعقولوں اور ان کی نامعقولیوں سے الجھنے کا موقع ہی نہیں دیتی تھی۔

علم وصبر اور عمل کے سبب ان کی ہیمنت مخالفین پر قائم تھی۔انہوں نے علم کا سہارا لیا اور دلائل کے انبار لگادیئے۔اس وقفے میں علماء اہل حدیث کی علمی دھاک اس طرح بیٹھی کہ ایسا لگا جیسے مخالفین کی کمر ٹوٹ گئی۔میاں صاحب، نواب صاحب ان کے ورفقاء مولانا بٹالوی مولانا غازی پوری، مولانا احمد سعید بنارسی، عظیم آبادی مبارکپوری اور مولانا رحیم آبادی نے اس وقفہ میں مخالفین کو ناکوں چنے چبوائے، مخالفین نے اس علمی دباؤ کے نتیجے میں تقلید کی راہ چھوڑ کر تحقیق کی راہ اختیار کی۔آج اگر دیوبند میں کسی طرح بحث وتحقیق ہے وہ علمائے اہل حدیث کی دین ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ڈی گروپ کی ہر سرگرمی کے پیچھے اہل حدیث کی علمی، دعوتی، تعلیمی اور سیاسی سرگرمیاں کے دباؤ کا نتیجہ ہے تو بجا ہے۔اگر یہ نکال دیا جائے تو پھر ڈی اور بی میں کامل یکسانیت ہے۔جن لوگوں نے ڈی گروپ کی تاریخ نہیں پڑھی ہے، وہ اہل حدیث ان کے متعلق بڑی خوش فہمی کا شکار رہتے ہیں۔معرکہ حیات میں مخالف کی تاریخ سے بے خبری جنگ ہار جانے کا بہت برا سبب ہے۔تکفیر کا تحفہ تو ہمیں دونوں سے ملا، لیکن تاریخی علمی اور سیاسی میدان میں ڈی گروپ نے ب گروپ سے کہیں زیادہ اہل حدیثوں کو نقصان پہنچایا ہے اور مسلسل وہ ہمارے لئے وجہ آزار ہے۔

ان عداوتوں سے نمٹنے کا تیسرا طریقہ ہمارے علماء کرام کی بے نفسی تھی، انہوں نے دین کی دکان نہیں سجائی تھی۔انکا مطلوب حق کا اظہار تھا، اس لئے ان کے لب ولہجے میں متانت وزن، اور سکنیت ہوتی تھی۔مخالفین کو اپنی ساکھ بچانے کی پڑی تھی اس لئے وہ بلبلاتے تھے اور تفسیق وتکفیر کا کام کرتے تھے۔نواب صاحب کے مخالفین کی تحریریں، میاں صاحب کے مخالفین کی تحریریں، علماء صادق پور کے خلاف فتاوی، مولانا بٹالوی کی مخالفت میں تحریریں آخری درجے کی غلیظ تحریریں ہیں۔سفالت، سفاہت میں شاہکار، ثقاہت واستناد میں دیوالیہ، کتابیات کے باب میں جانے سے بات طویل ہوگی اور فہرست گنانے سے کچھ حاصل نہیں۔اصل یہ ہے کہ نکتہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پکڑیئے کہ مخالفتوں کی شدت کا وہ کون سا دور تھا۔ ایک طرف سارے اعدائے اہل حدیث اپنی ساری صلاحیتوں کے ساتھ میدان میں تھے۔ دوسری طرف استعمار کا جبر تھا اور اس کو اہل حدیث مخالفین وہابی باغی کا مطلب سمجھا رہے تھے۔ اور تنہا اہل حدیثوں کو متہم بنا رہے تھے حتی کہ مولانا عبدالحئ فرنگی محلی جیسے ثقہ عالم بھی (غیر مقلدین) کو تہ تیغ کر دینے کی سفارش کرتے تھے۔ مگر علماء اہل حدیث کی بے نفسی اور ان کی بے نیازی ان کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھی۔

اس مخالفت کا ایک عام رخ تھا وہابیت کا، یہ ایک بین الاقوامی سازش تھی، جواب تک پورے زور وشور کے ساتھ جاری ہے۔ بلکہ اس وقت حکومتوں سروے، تحقیقی اداروں میڈیا سوشل میڈیا بکاؤ ایجنٹ اور نادان دانشوروں نے اسے اس وقت کا فتنہ اکبر بنا دیا، شیعہ، بریلوی اور تحریکی عوام علماء اور قائدین تک اس میں بری طرح ملوث ہیں۔ ہمارے ڈی گروپ کا اصلی موقف اوپر گنائے گئے فرقوں کی مانند ہے۔ فرق صرف لکی چھپی کا ہے۔ مفاد اور موقف کے درمیان جھولنے والا۔ اس کی ابتداء ایران عثمانی خلافت، قبوریوں، صوفیوں اور آل شریف نے کی۔ حکومتی اور عوامی پیمانے پر اسے دنیا بھر میں پھیلایا گیا۔ پھر استعمار نے اسے سارے عالم میں اہل حدیثوں کے خلاف استعمال کیا کیوں کہ وہی ہر جگہ اس سے لڑتے تھے۔ آج اس کا استعمال سارے عالم میں سلفیوں کے خلاف ہو رہا ہے۔

میاں صاحب کے زمانے میں حق کے مخالفین کی اس نفس پرستانہ ایجاد یعنی وہابیت کا برصغیر کے اہل حدیثوں کے خلاف خوب استعمال ہوا۔ اس دور میں تو مخالفین اہل حدیث قبوری وحدۃ الوجودی تھے بعد میں ب اور ڈی گروپ میں بٹ گئے۔ دونوں گروپ کے علماء نے اس باب میں صدفی صد اتہام، بدظنی اور جہالت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا حسین احمد مدنی نے شیخ الاسلام کے خلاف ایسے غلیظ تبصرے کئے ہیں کہ انسانیت شرمسار ہو جائے اور اب جبکہ مفادات بدلے ہیں تو عیار مولوی اہل حدیث علماء کی بعض عبارتوں کو ڈسٹورٹ کر کے یا سیاق وسباق سے کاٹ کر اپنے برابر کرنے کی عیارانہ کوشش کرتے ہیں اور علماء اہل حدیث کی شیخ الاسلام کی دعوت کی حمایت معاونت اور ان کے جانشینوں کی ہمہ دم مرافقت کو ہضم کر جاتے ہیں اور ایسا کرتے شرماتے نہیں جبکہ اب بھی ڈی گروپ کے علماء کے

جانشینوں کا شیخ الاسلام کے متعلق سب وشتم اور اتہام والا رویہ ہے بلکہ اب تو اس میدان میں وہ آگے ہیں جن کے شیوخ زندگی بھر سعودی عرب میں لذت اٹھاتے رہے میری مراد سلمان حسینی اور سجاد نعمانی سے ہے۔

اور ب گروپ کے فضل رسول بدایونی، عبدالقادر بدایونی احمد رضا خاں اور ان سب کے ماننے والے تو شیخ الاسلام کی تکفیر کو اسلام کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے ہیں اور یہ المیہ ہے کہ پونے تین صدیوں میں مسلمانوں نے جتنا وہابیت، نجدیت اور سعودیت کے خلاف لکھا اور بولا ہے اتنا اسلام کی اشاعت میں کام نہیں کیا ہے، روزمرہ سراجہرانجی محفلوں میں کانفرنسوں، فتوؤں، جلسوں اور درس گاہوں میں لکھا اور بولا ہے، تدریس، تعلیم، صحافت اور تحریر وتقریر میں ان کے خلاف تمام فرق اسلامیہ نے اتہامات اکاذیب تکفیر وتفسیق کا انبار لگا دیا ہے۔ ان سارے رکارڈ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس عداوت اور عدم برداشت کے ماحول میں سلفیت اور سلفیوں کا زندہ رہنا کسی کرامت سے کم نہیں ہے۔

میاں صاحب کے دور میں ۱۸۵۷ء کے بعد سارے برصغیر میں ہر ایک اہل حدیث وہابی باغی تھا اور سارے مسلم فرقے اور جماعتوں نے اپنے بچاؤ اور ثبوت وفاداری کے لئے استعمار کو باور کرانے کی بھرپور کوشش کی کہ اہل حدیث وہابی باغی ہیں۔ ب گروپ نے ڈی گروپ کو وہابی بنانے کی بھرپور جدوجہد کی، وہابیت سے دامن چھڑانے اور استعمار کی پکڑ سے بچنے کے لئے سارے دیوبندی علماء اپنے خول سے باہر آ گئے۔ ان کے اوپر مولانا احمد رضا کی تحریر کا ایسا دباؤ بنا کہ وہابیت کے الزام سے باہر آنے کے لئے، امروہی صاحب حاشیہ شرح عقائد میں فضل رسول بدایونی سے آگے نکل گئے۔ ڈی گروپ کے لوگ احمد رضا کے اتہام وہابیت سے بوکھلا گئے اور اس سے برأت کے لئے اس کے مانے جانے محدثین، مفتیان کرام، فقہاء، علماء لگے شیخ الاسلام کو گالی دینے۔ مولانا انور شاہ جیسا آدمی ان کے بارے میں فیض الباری میں کہہ جاتا ہے (أما محمد بن عبدالوهاب فانه كان رجلا بليدا قليل العلم يتسارع بالحكم الى الكفر) میرا ماننا ہے یہی ایک عبارت قیامت کے روز انھیں مجرموں کی صف میں کھڑا کرنے کے لئے کافی ہے اور یہی عقیدہ ہمارے ملال کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے، آج عیار مولوی رجوع کی بات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں، پھر کیوں نہیں الشہاب الثاقب، التصدیقات، جیسی بدبختانہ کتابیں نذر آتش کر دی جاتیں اور کیوں نحوست زدہ عبارتیں جو سانپ اور بچھو کی مانند ہیں شروح حدیث حواشی علی العقائد، تاریخ، تذکروں اور فتاوی سے نکال نہیں دی جائیں، آج جو کم فہم دین سے بیگانہ نصوص قرآن وسنت سے بے خبر ہیں وہ تھرڈ پارٹی بننے کی کوشش کرتے ہیں اور اتحاد کے نام پر الحاد پھیلانا چاہتے ہیں۔ ان کو اس تاریخ کو دھیان میں رکھنا چاہیے۔ درحقیقت وہ خود خمینی انقلاب کے دباؤں میں اتنی شدت سے آ گئے ہیں کہ ان کے لئے اس سے باہر آنا ممکن نہ رہا۔ وہ تشیع اور باطنیت کا نمائندہ یا ہرکارہ بن کر رہ گئے ہیں۔

عجیب بات ہے، وہابیت کے نام پر سارے استعمار وفاداروں نے ۱۸۵۷ کے بعد سارے کرم فرما اہل حدیثوں کے متعلق وہابی باغی کے ترادف کا استعمار کو تلقین کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارے اہل حدیث چن چن کر مارے گئے، پھانسی پر لٹکائے گئے، وہابی ہونا ان کے مجرم بننے کے لئے کافی تھا، پورے برصغیر میں ان کی تلاش ہونے لگی۔ خاص اہل حدیثوں پر کئی خطرناک مقدمے قائم ہوئے اور بے شمار اہل حدیث قائدین کو پھانسی، حبس دوام، عبور، دریائے شور کی سزا ملی۔ جو انگریز نوکر تھے اگر شبہے میں پکڑے گئے جیسے فضل حق خیرآبادی تو آج ان کو کیش وہ کرا رہے ہیں جو کل استعمار کی آنکھ اور کان بنے ہوئے تھے۔

اہل حدیث مخالفین اور استعمار کی مشترکہ یلغار سے اہل حدیث کیسے بچے؟ بچنے کی کہاں کوئی صورت باقی تھی، بہت سے اہل حدیث افراد شبہے میں پھانسی پر چڑھا دیئے گئے۔ اور جیلوں میں بھر دیئے گئے۔ استعمار کے حوصلے پورے ہو گئے اور مخالفین اہل حدیث کے بھی حوصلے پورے ہو گئے۔ جب حالات نارمل ہوئے، فتنہ وفساد تھما، استعمار اور مستعمرین دونوں کی طرف سے تلاش حقیقت کا کام شروع ہوا، تو پھر مقدمات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس وقت تک انگریز استعمار کی پکڑ پورے ملک پر مستحکم ہو چکی تھی۔ کسی بھی مستحکم حکومت کے لئے مستقلا اپنے مخالف کو جو چاروناچار اس کی رعایا بن چکی ہو مارتے رہنا ممکن نہیں ہوتا۔ اسے بہرحال صلح جویانہ رویہ اختیار کرنا پڑتا ہے، کب تک مستحکم حکومت رعایا سے لڑے گی اور رعایا سے لڑنے کی پالیسی بنائے تو حکومت کرے گی کس پر؟ بہرحال گرد صاف ہو تو امن وامان بحال کرنے کی بات ہوئی۔ دوسرے لوگوں

کے سوا اہل حدیث قائدین کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت پڑی۔ مولانا بٹالوی کی قیادت میں انگریز استعمار سے معاہدہ کرنا پڑا کہ دشمنوں کے پروپیگنڈہ کی بناء پر اہل حدیثوں کو وہابی نہ کہا جائے اور گورنمنٹ سرکاری طور پر یہ تسلیم کرے کہ ہم اہل حدیث ہیں وہابی نہیں۔ صرف وہابی باغی کے نام پر ظالم استعمار سے کسی کمیونٹی کو خود کو تباہ کروانے کا شوق ہوگا۔ جان مال، عزت آبرو اور جائداد کے تحفظ کے لئے دشمن سے بھی معاہدہ ہوتا ہے۔ تاریخ خونخوار دشمنوں سے معاہدوں کی مثالوں سے بھری ہے۔

مخالفین اہل حدیث کا باولہ پن دیکھئے۔ خود تو ان کے قائدین انگریزوں کا دودھ پیتے موٹے ہوتے رہے اور مزے کرتے رہے اور اہل حدیثوں کو وہابی بتا کر قتل کرواتے رہے اور ایک اہلحدیث نے دشمن استعمار کے نخچیر ستم سے بچنے کے لئے ایک جائز مطالبہ کیا تو انگریز غلاموں کی اولاد آج یہ کہنے سے شرماتی نہیں کہ اہل حدیث انگریزوں کی پیداوار ہے، عقل، منطق، دلیل، حجت اور صورت واقعہ سب کے یہ دشمن ہیں، ایسے لوگوں کو علم وکتاب کا دشمن اور ان کے اداروں کو حق وصداقت اور سچائی کی قتل گاہ ماننا چاہیے، ایسے لوگ گپی، اکاذیب کی سواری اور اوہام کے شکار وشکاری ہیں۔

اہل حدیث مخالفین کا ایک مکروہ کام یہ تھا کہ انہوں نے مساجد سے اہل حدیثوں کو روکنے، مارنے پیٹنے، مساجد دھلوانے اور ان کا سماجی بائیکاٹ کرنے کا مشن شروع کر رکھا تھا۔ اور آج بھی اس کا نیوتا دیا جاتا رہتا ہے۔ ۲۰۰۱ء میں اور اس کے بعد جمعیۃ العلماء کی نامعقولیتوں سے کون ناواقف ہے۔ میاں صاحب کے دور میں ان سب کا بھی بری طرح مظاہرہ ہوا۔ ہر طرح کی مشکلات کا علماء اور عوام اہل حدیث نے سامنا کیا۔ کورٹ میں کھینچے گئے۔ سماجی بائیکاٹ کو جھیلا، مقدمات میں پیسے گئے لیکن علماء کی قیادت میں انہوں نے بڑے صبر کے ساتھ ان سب کو جھیل لیا۔ آج کے تحریکی دل ودماغ سے خالی جو دین کے ٹھیکیدار بن رہے ہیں اگر انھیں ان حالات کا سامنا کرنا پڑتا جن کا اہل حدیث علماء اور عوام نے سامنا کیا تو یہ مرتد ہو جاتے۔ اہل حدیثوں نے تو ان سرپھروں کا بھی حصہ جھیل لیا ہے۔

ان مشکلات کی عظیم تاریخ ہے، جن کو کون نظر انداز کر سکتا ہے؟ اور ان کے اثرات کہاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابھی دل ودماغ سے اترے ہیں، مخالفین اہل حدیث ابھی تک ان سلبیات کو اٹھائے پھرتے ہیں، دہراتے رہتے ہیں۔ اوراپنی ستم رانیوں کے تیشہ وتفنگ سے اہل حدیثوں کو زخمی کرتے رہتے ہیں اور جب آئینہ سامنے رکھا جاتا ہے توان کے اندراتنی اوقات نہیں ہے کہ دیکھ سکیں پھر شدت اور جارحیت پر اتر آتے ہیں جیسا کہ تال کٹورہ اسٹیڈیم سے شروع ہوا اوراب تک اس کا سلسلہ ارشد مدنی، سجاد نعمانی اور سلمان ندوی کی قیادت میں جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں عقل سلیم دے اوران کو شروفساد میں مروت اور صداقت کا چہرہ دکھلا دے اوران کو جھوٹی شیخی سے نجات دے (آمین)

میاں صاحب نے اہل حدیثوں کی تعلیمی، تدریسی اور دعوتی میدان میں قیادت کی اور بھوپال نے علمی وتحقیقی مہم میں اور صادق پور نے اقامت ریاست، نفاذ شریعت میں، اس فریضے کی ادائیگی میں سبھوں نے اپنے تلامذہ اور معتقدین کے ساتھ کامل معاونت کی۔ کل ملا کر انھوں نے اسلامی ہندوستان کا خواب دیکھا جس میں فسق فجور، بدعات، تصوف، قبر پرستی، شرک اور مخالف اسلام امور کے نہ رہ جائیں اور لوگ متبع کتاب وسنت بن جائیں۔ استعمار کی ساری دشمنیوں اور مخالفین اہل حدیث کی ساری عداوتوں کے باوجود انہوں نے پورے ہندوستان کو صحیح اسلام سے متعارف کرایا۔

ان جہود مبارکہ سے برصغیر کو کیا ملا، ان نتائج کو حاصل کرنے کے لئے ان کو کیا کیا کرنا پڑا اور انہوں نے اپنے اندر کن اوصاف کو پیدا کیا۔ مخالفین نے کن کن مذلوجی حرکتوں کا ارتکاب کیا، یہ سب تاریخ کے موضوعات ہیں اوراس وقفے کی تاریخ اہل حدیث کے جو ورق ابھی بھی سادہ ہیں ان پر حقائق لکھا نہیں گیا۔ ہماری سامنے جو اس وقفے کی اسلامی تاریخ ہے، وہ تاریخ کے نام پر ایک گالی ہے، جھوٹ کا پلندہ ہے اور کالے تعصب کی سیاہی ہے، ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ حقائق، شہادتوں اور واقعات کا صحیح اندراج کرے اور صورت حال کو تسلیم کرے۔ ورنہ قیامت کے روز جرم تحریر وتقریر میں ماخوذ ہونے کے لئے تیار رہے۔ تاریخ میں خیانت پوری انسانیت کے ساتھ خیانت ہے۔ جو نا قابل معافی جرم ہے۔ تاریخ لکھنے والے خواہ محمد میاں صاحب ہوں، یا علی میاں ہوں، سندھی ہوں یا ایوب قادری یا ان کے بعد فکر وفہم سے عاری مورخین ہوں، سب

اس جرم خیانت کے مرتکب ہیں اور تاریخ کے ساتھ کھلواڑ کرنے والے قلم کار۔ مشکل یہ ہے کہ اس تاریخی جھوٹ کو پورے برصغیر میں تاریخ اور منہج تاریخ بنا دیا گیا ہے۔

یہ انتہائی ضروری ہے کہ تاریخ کا طالب علم، اس گروہ حق اور سرفروشان دین کی دعوت ان کے طریقہ کار ان کی جہود اوران کی دعوت کے خصائص کو جانے اور ان کی قدر کرے اوران جہود مبارکہ میں آج اپنی کھوئی ہوئی عملی راہ کو دریافت کرے۔ اگر جائزہ لیا جائے تو دعوت اصحاب دعوت اور جہود مبارکہ کے خصائص ہمارے سامنے اسی طرح آسکتے ہیں جس طرح ہیں اوران کے نتائج واثرات صحیح شکل میں ہمارے سامنے نمایاں ہیں۔

خصائص دعوت:

- برصغیر کی تاریخ میں پہلی بار کتاب وسنت پر مبنی دعوت دین عملا برصغیر کے پیمانے پر دی گئی۔

- تصوف پرستی، معقولات پرستی اوراوہام پرستی کے ماحول میں پہلی بار دعوت برحق کی آواز گونجی۔ اوران کے شر سے لوگوں کو بچانے کی بھرپور کوشش ہوئی۔ اس گروہ مقدس کی دعوت سے پہلے کسی نے ایسی دعوت دی، نہ کبھی بدعات، شرکیات، تقلید، قبر پرستی اور وحدۃ الوجودی تصوف کے خلاف آواز اٹھی، نہ آیات واحادیث کے دلائل ساتھ باطل کی تردید ہوئی اور نہ حق کی تثبیت کے لئے کبھی کوشش ہوئی۔

- پہلی بار ایسا ہوا کہ ملوکیت اور طائفیت کے برعکس اسلامی شورائیت اور جہادی تربیت کے ذریعہ تنفیذ شریعت اوراسلامی ریاست کے قیام کے لئے عوامی پیمانے پر کوشش ہوئی اور جہاد کے لئے لوگوں کو تیار کیا گیا۔

- برصغیر کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ توحید عبودیت کو یا دوسرے لفظوں میں اللہ کے معبود ہونے کے عقیدے کی بنیاد پر عبادت کو کل دینی کاموں کا محور اور اساس بتا کر کام کیا گیا اور عقیدے کو اساس عمل بنایا گیا اور دلائل وشواہد کے ساتھ اسے مبرہن کیا گیا۔ اوراس کے نتیجے میں آج تک ب گروپ کی تکفیر کا آوازہ سنتے ہیں اور زندگی کے ہر لمحے میں کہیں نہ کہیں اس گروہ کے اس مقدس کام کو ہمارے نام منسوب کیا جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

-پہلی بار ایسا ہوا کہ سنت کے احیاء کی ہمہ گیر کوشش کی گئی اور اس پر عمل کرنے کے لئے بھرپور عوامی بیداری لانے کی کوشش ہوئی اور اس راہ میں کسی مخالفت، عداوت، لعن طعن، بائیکاٹ، گالی گلوچ، مقدمے اور قتل وخوں ریزی کی پرواہ نہیں کی گئی اور اس کے نتیجے میں آج تک سرخیل گروہ میاں صاحب اور نواب صاحب کی ہر طرح ڈی گروہ اہانت کرتا ہے ان کو ڈسکارڈ کرنے اور کالعدم قرار دینے کی بھرپور جدوجہد کرتا ہے حتی کہ وہ لوگ بھی ان کی اہانت کرتے ہیں جوان کے علمی سایے میں ٹکنے کی سکت نہیں رکھتے۔

-تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ صحیح دین کی دعوت کی مخالفت میں سارے مسلمان اتر پڑے اور عداوت ومخالفت کی جتنی شکلیں ہوسکتی تھیں سب کو دعوت کو تباہ کرنے کے لئے برتا گیا۔حتی کہ استعمار کو اور استعمار ہی کو نہیں آزاد ہندوستان میں حکومت کو ان کو تباہ کرنے کے لیے آمادہ کرنے سے نہیں شرمائے۔

-تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ دعوت کو فرد، سماج، معاشرت، عائلی، زندگی گھر، مدرسہ، مسجد، جاہل، عالم شہر اور دیہات ہر ایک کے لیے جگہ پہنچانے کی کوشش کی گئی۔اور اس کے لئے ایسی ایسی قربانیاں دی گئیں جو انسانی ہمت وحوصلے کی آخری حدوں کو چھو لیتی ہیں، انسان جس حد تک قربانی دے سکتا ہے اس حد تک قربانی دی گئی۔

-برصغیر میں پہلی بار ایسا ہوا کہ وعظ وتقریر دعوت وتبلیغ افتاء واستفتا میں نصوص کتاب وسنت کا حوالہ دیا گیا لوگ اس کے عادی ہونے اور حوالہ مانگا جانے لگا۔

-برصغیر کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ پورے برصغیر میں احقاق حق کے لیے علمائے اہل حدیث نے مناظرے کی دعوتوں اور چیلنجوں کو قبول کیا اور ان کی سلبیات کے ساتھ ایجابیات بہت بہتر مشکل میں برآمد ہوئیں۔

-برصغیر میں پہلی بار مسلمانوں کو درس قرآن سے روشناس کرایا گیا۔اور جگہ جگہ اہل حدیث علماء نے مساجد میں اس کا اہتمام کیا اور پورے برصغیر میں اس کا رواج ہوا۔میاں صاحب کا درس قرآن، غزنوی علماء کا درس قرآن، لکھوی علماء کا درس قرآن، علامہ قاضی منصور پوری کا درس قرآن مولانا امرتسری کا درس قرآن تاریخ بن چکی ہے۔آج اگر دروس قرآن کا مقدس کام کہیں

ہے وہ انھیں کی دین ہے۔یہ الگ بات ہے کہ تحریکیوں نے درس قرآن کو کھیل بنالیا ہے اور جہلاء بھی تدبر قرآن کے نام پر تماشا کرتے ہیں۔

برصغیر کی تاریخ میں یہ پہلی بار ہوا کہ مفصل طور پر دین کے تمام موضوعات پر کتابیں رسالے لکھنے کا عمل جاری ہوا۔سید والا جاہ رحمہ اللہ نے اسے شروع کیا اور لوگوں نے پورے برصغیر میں اس کی نقالی کی۔ہر موضوع پر اس سے قبل کتابیں نہ تھی۔نواب صاحب نے دین کے ہر موضوع پر کتابیں مہیا کردیں۔اور عام طور پر اس وقفے میں مروجہ تین زبانوں عربی فارسی اور اردو میں ترجمہ قرآن واحادیث کو چھاپنے اور لوگوں تک پہنچانے کا رجحان بنا۔اور لوگ قصہ کہانیوں کی بجائے کلام پاک اور رسول پاک ﷺ کے کلام سے براہ راست آشنا ہوئے۔سب سے پہلے شاہ عبدالقادر کا ترجمہ مولانا ولایت علی صادق پوری نے بردوان بنگال سے شائع کیا۔

دینی کتابوں کو عربی، اردو اور فارسی میں چھاپ کر گھر گھر پہنچانے کا جتن کیا گیا، نواب سید والا جاہ کا کون اس میدان میں مقابلہ کرسکتا تھا، اس کے سوا اہل حدیث مالداروں نے بکثرت یہ کام کیا۔

احادیث کی کتابیں کا ترجمہ ہوا خاص کر صحاح ستہ کا ترجمہ ہوا اور انھیں علماء اور عوام کے ہاتھوں تک پہنچایا گیا۔

-فقہ السنہ کو نواب صاحب اور ان کے رفقاء نے مسلمانوں میں عام کیا، یہ بھی تاریخ میں پہلی بار ہوا کہ لوگوں نے جانا کہ فقہ السنہ کیا ہے یا یہ کہ فقہ میں اصل فقہ السنہ ہے۔

-علماء وعوام میں معروف دین کا جو معیار فہم تھا اس سے اوپر اٹھ کر تلاش حق میں محبت حق کے جذبے سے، علماء وعوام نے پہلی بار معیار فہم اونچا کیا، درست کیا، پورے ملک میں حق کی ایک عام تلاش وجستجو پیدا ہوئی، جمود کی بہت ساری شکلیں سماجی وانفرادی عمل میں ٹوٹیں۔

-برصغیر میں پہلی بار ایسا ہوا کہ لوگوں نے عبادت، خشیت، توکل، محبت، اطاعت اور خوف ورجا کے مفاہیم سے کما حقہ آگاہ ہوئے اور عقیدہ کے نام پر وحدۃ الوجود کی برائی سے آگاہ ہوئے۔ طریقت وشریعت کے الگ الگ تصور کی گمراہی کو جانا، رسم ورواج، بدعات، قبر پرستی، مشائخ پرستی، شادی بیاہ، وفیات، مواسم اور موالید کے مواقع پر شرکیہ اور مبتدعانہ رسموں اور ان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

برائیوں اور قباحتوں سے آگاہ ہوئے۔ اوران کی جگہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنتوں کو جانا۔

-پہلی بار ایسا ہوا کہ لوگوں نے خانقاہوں ، درسگاہوں، مقبروں، آستانوں، پیروں، فقیروں، جعلی ولیوں، مجاوروں اور فروسیوں کے سوا منبر ومساجد، صلوۃ وسجود، خطبات جمعہ اور حقیقی علماء کی اہمیت کو جانا اور جویائے حق بنے۔ مخالفین اہل حدیث کی اگر عدواتیں نہ ہوتیں تو شاید لوگ صرف مساجد کے رہ جاتے، خانقاہیں درگاہیں اور مقبرے ویران ہوجاتے، جبینیں صرف درالٰہی پر جھکتیں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت حاصل ہوتی۔ سارے مخالفین اہل حدیث کل عوامی گمراہیوں کا بوجھ لاد کر بارگاہ معبود میں حاضر ہوں گے۔

-پہلی بار ایسا ہوا کہ پورے برصغیر میں عیدین میدان میں پڑھنے اور عورتوں کی شرکت کرنے کا اہتمام ہوا، اگر ان اولویات کی فہرست بنائی جائے تو بڑی طویل ہوگی۔ جو لوگ اہل حدیثوں کو خواہ اپنے ہوں یا غیر بے وقعت بنانے کی کوشش کرتے ہیں وہ فکر وفہم، عقل وخرد اور نگاہ وبصیرت استعمال کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ آج برصغیر میں جس قدر دینی خیر باقی ہے۔ خواہ فرد کے اندر یا سماج کے اندر یا زندگی کے کسی میدان میں ہو وہ ان کی جہود کا سرنامہ ہے اور ان پر انعامات الٰہی کے اثرات ہیں۔

-اہل حدیث علماء نے جمود وتعطل کو توڑا اور خالص دینی فکر وفہم کی راہ ہموار کی اس سے خیر کثیر حاصل ہوا، آج ڈی گروپ اور جماعت اسلامی کا وجود ان کے ہی سبب ہے، ورنہ یہ سارے قبر پرستی کی تاریک راہوں اور جمود کی تاریکیوں میں گم ہوتے انھیں۔ ہمارے سامنے اکڑنے کا موقع نہ ملتا۔

-برصغیر میں جتنی مسلم سیاسی، تعلیمی، سماجی اور اصلاحی تحریکیں اٹھی ہیں یا علمی وتعلیمی اداروں میں بحث وتحقیق کا دروازہ کھلا ہے۔ اہل حدیث کی جہود کا عطیہ ہیں، رہنمائی کے نتیجہ میں یا ردعمل کے نتیجے میں۔

داعیان حق کے امتیازات:

اس دور کے داعیان حق کے اوصاف وامتیازات کی بات جائے تو یہ طے ہے کہ پورے

عالم میں اس گروہ حق علمائے اہل حدیث اور اس کے اثریا، وجہاء اور عوام کے مثل کوئی دوسرا گروہ نہ تھا۔ آیئے یہاں ان کی چند ترجیحات کو تلاش کریں۔

میاں صاحب، ان کے تلامذہ، نواب صاحب، ان کے رفقاء، صادقین صادق پور اور ان کے اتباع، سب ولی صفت لوگ تھے۔ ان کی پوری زندگی راہ حق میں فنا تھی۔ انہوں نے اپنے جود کو حق کے فروغ کے لئے مٹا دیا تھا اور اپنی ساری صلاحیتوں کو دین کے فروغ کے لئے لگا دیا تھا۔ سب سچے اچھے باشعور مسئول اور متقی تھے۔ دین اور فروغ دین ان کی ترجیحات میں داخل تھا۔ دین کو حصول دنیا کا ذریعہ بنانا ان کا وطیرہ نہ تھا۔ مال وزر کے حصول کے لئے کوکنا آہیں بھرنا اور جھوٹ بولنا چالیں چلنا ان کے تصور میں بھی نہ تھا۔ ان کے پاس طمع ولالچ، بغض وحسد فتنہ وفساد پھٹک نہیں سکتے تھے، دنیاداری اور دنیاداری کے مظاہرے سے وہ دور اور نفور تھے، اکثر کفاف عیش کے قائل اور اس پر عامل تھے۔ ان کی زندگی کا مشن اصلاح عباد نصح عباد رب کریم کے عفو درگذر کی تلاش تھی وہ صحابہ کے نقش پا پر چلنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔

ان کی ترجیحات میں تھی دعوت وجہاد۔ اس کی خاطر وہ مال ودولت اور جان تک قربان کرنے کو تیار رہتے تھے اور ہر ممکن کوشش انہوں نے کی اور پورے برصغیر کو دائرہ کار بنایا۔ تاجر نے تجارت کی تو دولت کو دعوت وجہاد میں لگایا۔ عالم نے علم سیکھا تو دعوت اور تعلیم وتربیت میں اپنا سب کچھ صرف کر دیا۔ قائدین دعوت وجہاد نے اپنا ہر لمحہ ہر صلاحیت اور ہر سبب لگا دیا، انہوں نے نہ استعمار سے راہ ورسم رکھی، نہ سماج کے دباؤ میں آئے، نہ دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے ان کی ہمت اور حوصلے پست ہوئے۔

انہوں نے مخالفین سے بے جا رود قدح میں اپنی صلاحیت کو برباد نہ کیا، رد باطل کیا تو حق کو نکھارنے کے لیے، یاروں نے ستایا تو عموما صبر کیا، بدنام کئے گئے تو نظر انداز کیا، گالی دی گئی تو سہ لیا، مقدمے میں پھنسائے گئے تو جھیل لیا اور ہر حال میں ملتجی رہے کہ لوگو! کتاب وسنت کی راہ پر آجاؤ، اجاڑ دیئے گئے تو دوسری جگہ جا آباد ہوئے۔ مارے گئے تو لباس شہادت پانے کی امید رکھی۔

انہوں نے استقامت کی راہ اپنائی، نہ خوف سے متزلزل ہوئے، نہ لالچ سے، نہ دھمکیوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے ڈرے، نہ کم ظرفیوں کی پرواہ کی، نہ تہمتوں سے ہراسان ہوئے نہ قلت سے گھبرائے، نہ کثرت سے مرعوب ہوئے، نہ باطل کے دباؤ سے سرنگوں ہوئے۔ شرح صدر کے ساتھ جئے، اور سکون کے ساتھ موت کو گلے لگایا۔

ان کی پہچان تھی، انابت اور خوف الٰہی، وہ دینی واجبات کی بجا آوری کے ساتھ سنن ونوافل کا پورا اہتمام کرتے تھے۔ تہجد گذاری ان کی خاص پہچان تھی۔ وہ صلوات پنجگانہ کو روایت حیات جانتے تھے اور ہر شخص اس کی بجا آوری کرتا تھا ان کی اصل پہچان تہجد گذاری تھی۔

وہ جمود پسند کاہل، غافل لوگ نہ تھے۔ وہ اپنی ایک ایک سانس راہ الٰہی میں لگا دینے کا شوق رکھتے تھے۔ نہ خود غرض تھے، نہ مفاد پرست وہ دولت شہرت کوٹھی جائداد کے بندے نہ تھے۔ ان کو لگن تھی جو اللہ نے دیا ہے وہ اس کی راہ میں لگا دیں۔ وہ خود شناس تھے۔ وہ حق اور اہل حق کے درجات سے آگاہ تھے۔

وہ مستقلا سیکھنے اور سکھلانے کا جذبہ جواں رکھتے تھے۔ ان کی ترجیحات میں یہ چیز داخل تھی کہ ساری عمر دین کی خدمت میں بسر کر دیں۔ وہ پہلے خود عامل تھے بعد میں اس کے داعی تھے، ان کی زندگی میں تضاد اور انفاق کا کوئی خانہ نہ تھا۔ وہ جانتے تھے وفا کیا ہے اور وفاداری کرنا جانتے تھے، وہ دین کے فدا کار تھے اور فدا کاری کا فن جانتے تھے۔ وہ شجاع تھے اور شجاعت کا جوہر دکھلانا جانتے تھے۔ وہ حق کے فدا کار تھے اور فدا کاری کے گن جانتے تھے۔

اس دور کے علماء تو علماء عوام بھی ان خصائص اور امتیازات کے حامل تھے، ان کی زندگی ایسے واقعات سے پر ہے جو ان امتیازات وخصائص کے منہ بولتے ثبوت ہوں گے۔

نتائج:

ان جانفشانیوں اور قربانیوں کے نتائج اوپر بیان کئے گئے۔ ان کے نتیجے میں کروڑوں انسانوں نے راہ سنت اختیار کی، علاقے کے علاقے شرک کے جہالت کدے سے نکلے، ضلالت وگمراہی سے دور ہوئے۔ حق کو پہچانا، لاکھوں انسانوں نے اسلام قبول کیا۔ جہاد کا فریضہ زندہ ہوا۔ حج کو قائم کیا گیا، اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آگے شریعت کی تنفیذ ہوئی گو کچھ مدت ہی کے لئے یا محدود علاقے میں لیکن جدوجہد سو سالوں تک جاری رہی۔ ملک کا جغرافیہ بدلا۔ شرق

وغرب اسلامی بن گیا اور پھر مسلم ریاست کی شکل میں بدل گیا، سوچ بدلی، معاشرت میں تبدیلی آئی معیشت کے دروازے کھلے، تعلیم میں وسعت ہوئی، جمود ٹوٹا انسانی وسائل میں از حد تبدیلی و ترقی ہوئی۔ سیاست میں تیزی آئی۔ استعمار سے آزادی میں راہ نمائی ملی دباؤ بڑھ کر اس کے اخراج کا عمل رونما ہوا۔ خدمت خلق کی نمایاں کوششیں ہوئیں اور نمایاں شکلیں رونما ہوئیں۔ تعلیم کے نمایاں ادارے کھلے عائلی زندگی کا جمود ٹوٹا خواتین کو تعلیم اور عبادت کا حق ملا۔ بہت سی دیسی ریاستوں، جاگیرداروں اور زمین داروں کو دین سے جڑنے کا اور خدمت دین کا موقع ملا، بہت سے ہنرمند پیدا ہوئے۔ جنہوں نے قوم وملت کی بے مثال خدمت کی۔ برصغیر اور برصغیر سے باہر کئی علاقوں میں کار خیر میں ان کو حصہ رسدی ملی۔ انہوں نے تمام فتنوں اور ابتلاؤں کو جھیلا ان کا حل نکالا اور امت کو بہت سی مشکلات سے بچایا۔

نتائج کے اعتبار سے اگر اہل حدیثوں اور غیر اہل حدیثوں کا موازنہ کیا جائے تو اہل حدیثوں کے مقابلے میں مخالفین اہل حدیث زمانی مکانی کمی کیفی ہر عتبار سے بہت پیچھے ہیں۔ سو سالوں کا ایک ایسا وقفہ قریبا ۱۲۳۰ء تا ۱۳۳۰ء جس میں صرف اہل حدیثوں کی محنتیں ہیں۔ دوسروں کی مشارکت نا کے برابر ہے۔ روایتی کاموں کا اعتبار نہیں۔ دعوت وجہاد اس کے تقاضوں اور ثمرات کے ساتھ اور ان کے مخالفین کا کام ہے اہل حدیثوں کو تباہ کرنے کے لیے ان کے خلاف مسلسل سازش۔ ایسی گھناؤنی سازش کہ دشمنان اسلام نے ایسی سازش نہ کی۔ مخالفین اہل حدیث ایک صدی تک صرف حالت اختلاف، حالت حسد، حالت نفرت اور حالت موامرت میں جیتے رہے۔ ہم جب تاریخ پڑھتے ہیں اور مخالفین اہل حدیث کے تضادات دیکھتے ہیں تو طبیعت بھنا جاتی ہے اور سوچنے لگتے ہیں کہ کیا تاریخ اسلام میں ایسے جعلی اور مصنوعی فکر وخیال کے علماء بھی کبھی رہے ہیں جو اس ایک صدی کے وقفے میں رہے۔ اس پورے وقفے میں ہمیں ان میں ایک بھی رجل رشید نظر نہیں آتا ہے۔ سب کے اردگرد بس جھوٹ اور مبالغے کا جالا ہے اور ہالہ ہے، اور دوسرا سوال یہ بھی ذہن میں آتا ہے کہ اتنا طویل وقفہ بیتنے کے بعد ان کو بازدید اور اعترافات حقیقت کی توفیق نہیں ملی۔ پھر ان کے علم، تقوی اور اداروں کی کیا قدر وقیمت، جو مظلوم اہل حدیثوں سے نفرت کی بیساکھیوں پر ٹکے ہوئے ہیں اور دنیا کے سب سے زیادہ اس خطے کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کے لئے آزار اور آزمائش کا سبب بنے ہوئے ہیں والعیاذ باللہ۔

اہل حدیثوں کو رسوا کرنے اور بے وقعت ثابت کرنے کے لئے ان کے پاس بے حد و حساب ہتھکنڈے اور جھوٹ ہیں اور اس دور کے یک صد سالہ وقفے کے بعد دوسرے صد سالہ وقفے میں بھی وہی ہتھکنڈے شدت سے لاگو ہیں۔ جس طرح کل مفادات کے لئے استعمار کی چرنوں میں پڑے تھے، آج چولا بدل کر وقت کے حکمرانوں کی چرنوں میں پڑ جاتے ہیں۔

خدا وندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری

تاریخ اہل حدیث کا جو دور ہمارا موضوع ہے اس دور میں آہستہ آہستہ مسلکی تفاوت رونما ہوا، شہیدین کے خلاف پیروں کا طبقہ تھا، سعید اسلمی میر محبوب علی تھے، خیر آبادی گھرانہ تھا۔ شہیدین کی شہادت کے بعد اور اس دور کے آنے کے بعد جو ہمارا موضوع ہے، یہ تفاوت بڑھتا گیا اور ۱۸۵۷ء کے بعد یہ تفاوت مسلکی، سماجی، سیاسی ادارہ جاتی اور معاشی تفاوتوں میں وسعت پذیر ہوتا گیا اور یہی تفاوت رکھنے والے بریلی اور دیوبند میں منسوب ہوگئے۔ دونوں کے اندر بذات خود تفاوت شدت سے بڑھا، لیکن دونوں کے تکفیری توپ خانوں کا رخ ہمیشہ اہل حدیثوں کی طرف رہا۔ ان کے آپسی کی شدت کے رویوں نے اور پھر اہل حدیثوں کے ساتھ دونوں کی مشترکہ شدت کے رویوں نے پورے ملک کے مسلمانوں کے لئے نفرت کی فضا بنادی۔ جواب تک قائم ہے اور ایک اختلافی ناگزیر صورت بن گئی ہے۔ اس مسلکی شدت پسندی نے وحدت امت کے تانے بانے کو تاراج کر کے رکھ دیا ہے۔ پہلے وحدت کی تاراجی، اصول وحدت کی تاراجی تھی، اب اس وحدت کی تاراجی کے ساتھ حزبیاتی وجود بھی وحدت امت کی تاراجی کا سبب ہے۔ ادنی شے میں حزبیت، کالا تعصب، جذباتیت، سطحیت، نفاق، فساد، مفاد پرستی اور خود غرضی ظاہر ہو جاتی ہے۔ رواداری کسی کے بس کی بات نہیں رہ گئی ہے۔ اہل حدیث امت کی ہمہ گیر اصلاح کے لیے کوشاں تھے، اس لئے اس کے مقابلے میں یاروں نے ہمہ گیر مخالفت اور معاندت کی، یہ چیز زہر بن کر۔ حسد امت پھیلتی چلی گئی اور غیریت کی راہ ہموار کرتی چلی گئی، اسی طرح کی عداوت و دشمنی سقوط بغداد کا ذریعہ بنی اور نہ معلوم جسد امت میں اس عداوت کے کتنے زخم ہیں۔

عداوتیں جب اخلاق، سیرت و کردار اور عقیدے میں سرایت کر جاتی ہیں تو اس کی فصل بولہبی او ربوجھلی کی شکل میں نمایاں ہوتی ہے۔ امت کے اس المیے کا علاج سر پھرے اتحاد کے نام پر الحاد سے کرنا چاہتے ہیں۔

اٹھارہ سو ستاون کے بعد ڈی اور بی گروپ ہی وجود پذیر نہیں ہوئے بلکہ استعمار کی آمد سے تجدد پسندوں کی ایک کھیپ تیار ہوئی جن میں قومیت پرست دہریئے۔ استشراقی چیلے، منکرین حدیث، استعماری ٹوڈینے، علمانی، جمہوری اور کمیونسٹ خاص کر قابل ذکر ہیں، ان کے دوبدو تحریکیوں نے منصرم صدی کے نصف اول میں اپنا وجود درج کرایا، انہوں نے سارے نئے اور پرانے انحراف اور کج فکریوں کو اپنی وراثت میں لے لیا اور دین کی ٹھیکیداری بھی لے لی۔ دین کے نام پر سارے فتن کو ان سے زندگی ملی۔ اس وقت تجدد پسندوں کی مذکورہ ساری گمراہیاں میدان میں سرگرم ہیں اور وجہ فساد ہیں ان کا فساد ایک فیشن بن چکا ہے۔

وقت کے فکری دھارے نظام کفر کے عالمی جبر کے سائے میں بڑھتے اور پھیلتے جارہے ہیں۔ ان کا حصار تنگ اور مضبوط ہوتا جارہا ہے۔ اس وقت اسلام کے لئے جگہ بہت کم رہ رہی گئی ہے۔ ہر طرف دین پسندوں کے اندر بھی مادیت پرستی اور اباحیت پسندی بڑھتی جارہی ہے۔ دین کے ظواہر بھی ماند پڑتے جارہے ہیں۔ پھر بھی تحزباتی انجمنیں، احزاب اور دارے مسلکی تعصب کی بوسیدہ ہڈیوں سے چمٹے ہوئے ہیں۔ نظام جبر کی مکمل چاکری کے باوجود باہمی روابط میں شوخی ہی شوخی اور دوری ہی دوری ہے۔ بلکہ خود ایک مسلک والوں کے اندر مفاد پرستی اور منفعت جیب و شکم کی جنگ جاری ہے۔ خود رائی اور خود پسندی نے اخلاقی قدروں کا دیوالہ نکال دیا ہے، بس دین کی دکانداری چل رہی ہے۔ دین کے نام پر کثرت سے دین کے دکاندار پیدا ہو رہے ہیں۔

سیمینار کی معنویت:

ہم اہل حدیث ہیں، ہمارے ہاں تحزب و تفرق کی گنجائش نہیں، ہمارا مسلک سلف صالحین کا مسلک ہے، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا مسلک، فہم دین اور دین پر عمل کا وہ راست طریقہ جس پر نبی پاک نے صحابہ کرام کو چلایا اور ''ما أنا علیہ وأصحابی'' کی سند دی، ہمارے مسلک میں دعوت ہے، اجتہاد ہے، تعقل پسندی سے احتراز ہے، نصوص کتاب وسنت پر نفس پرستی کی چھری پھیرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی اجازت نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تفسیر، اصول تفسیر، عقیدہ، اصول، عقیدہ، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، تذکرہ، معاشرت، سیاست، معیشت، ادب ہر ایک کے لئے منہج فکر وعمل ہے، ہمارے ہاں علم دین کے ساتھ عالم دین کے عقیدہ وعمل کی راستی اور پختگی جڑی ہے۔ جو عمل اور باکردار نہیں وہ ہزار علم کی اسناد رکھنے کے باوجود نگاہ الٰہی میں بوجھ لادے ہوئے خر ہے(**مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل أسفارا**)ہمارا وقفہ عمل دور نبوت سے قیامت تک ہے(**لاتزال طائفۃ من أمتی ظاھرین علی الحق لایضرھم من خذلھم**)ہمارے منہج نے یہ طے کر دیا ہے کہ تقلید، تجدد پرستی، پیر پرستی، قبر پرستی، تصوف، تشیع، اعتزال اور خارجیت کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں، نہ تحریکت کے لئے ادنی درجے کی گنجائش ہے۔ ہمارے اصول وضابطے ہیں اور ان پر حتی الامکان عمل کرنے کا ہمارے اسلاف کا طریقہ نگاہوں کے سامنے ہے۔ اس سیمینار کی معنویت میری نگاہ میں دو طرح ہے، ایک تو یہ ہے کہ اس دور کی اسلامی تاریخ کی جس طرح تاریخ سازی ہوئی ہے اس کو درست کیا جائے اور تاریخ کے نام پر جو خس وخاشاک ہے اسے خاکستر کیا جائے۔ تاریخ کے نام پر جو جھوٹ مبالغہ آرائی اتہامات اور تاریخ سازیاں ہیں انھیں ختم کیا جائے۔ جس طرح یاروں نے رائی کو پہاڑ اور پہاڑ کو رائی بنایا ہے۔ اس کی تصحیح کی جائے، جن تاویلات باطلہ کو حقیقت کا روپ دینے کی کوشش کی گئی ہے انھیں درست کیا جائے، جس طرح قیاس مع الفارق کو اصول بنایا گیا ہے اس کی تردید کی جائے تاریخ میں قیاس آرائیوں کا ابطال ہو، ذہنی زرخیزیوں کو ختم کیا جائے۔ زبردستی کھینچ تان اور ڈسٹوریشن کو دور کیا جائے، افسانوں، قصوں اور تقدس مآبیوں کو حقیقت کی کسوٹی پر کس کر سچائی کو بے لاگ تسلیم کیا جائے۔ دھاندھلیوں اور زبردستیوں کو مسترد ٹھہرایا جائے۔

مشکل یہ ہے کہ غلط کاروں، نفس پرستوں اور متعصبوں نے اس دور کی جو جھوٹی تاریخ بنادی ہے ہم بھی عادی ہو گئے ہیں اس کو سچ ماننے کے، ہمارے نوخیز تو ایسے مباحث کو اپنی کم فہمی یا خود پسندی کے سبب لایعنی قرار دینے کی جسارت کرتے ہیں۔ دوسروں کی دکھلائی ہوئی تاریخ کی تاریک راہ یا سرداب میں کھو جانا پسند کرتے ہیں۔

جس تاریخی وقفے کی تاریخ کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں، اس وقفے کی موجودہ تاریخ

نویسی کے اصول وضوابط وہی ہیں، جن کو میں نے اوپر تفصیل سے بیان کیا ہے، اس مرحلے کی مرقوم تاریخ کو خرافات اور عقل وخرد کا کباڑ کہنا چاہیے۔

اس تاریخ کو درست کرنے کی راہ یہ نہیں ہے کہ سلسلہ وار واقعات بیان کر دیئے جائیں اور صفحہ وجلد کا حوالہ دے دیا جائے۔ یہ تو ضروری ہے ہی، لیکن اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ حالات وظروف کی ہمہ جہتی چھان بین کی جائے۔ واقعات کی کڑیوں کو جوڑا جائے، عملی وفکری کرداروں کو نمایاں کیا جائے۔ اسباب وعلل کا جائزہ لیا جائے، نتائج وعواقب تک پہنچنے کی مخلصانہ کوشش کی جائے۔ مثبت ومنفی پہلوؤں کو نکھارا جائے۔ منفی رویوں اور مثبت رویوں کو طے کیا جائے اور بحیثیت مجموعی بلاتعصب ملت کی ذمہ دارانہ تاریخ لکھی جائے، تاکہ تاریخ آئینہ امت بن سکے۔ ابھی تو تاریخ اک کباڑ خانہ ہے۔ جہاں مبالغہ آرائیاں بھی ہیں اور افترا پردازیاں بھی۔

صحیح تاریخ کو مرتب کرنے کے لئے پورے سو سالہ وقفے کو پڑھنا، سمجھنا، تحقیق کرنا، نتائج نکالنا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے جس صلاحیت کی ضرورت ہے اس کے لئے کلی تفرغ، بصیرت، محنت اور سلیقہ فکر وفن چاہیے، اس کے لئے ایک ٹیم چاہیے جو جلد اور صفحات کے حوالوں سے آگے بڑھ کر صورت حال کو پڑھے، تجزیہ وتحلیل کو کام میں لائے اور تاریخ کو آئینہ حق نما بنادے۔ ہمارے ہاں مشکل یہ ہے اذہان صفحات اور جلدوں کے حوالوں سے اوپر نہیں اٹھ پاتے، پھر بھی قابلیت کا جھنڈا بلند ہو جاتا ہے، جب کہ ان سے صحیح ڈھنگ سے سرد واقعات کا مسئلہ بھی حل نہیں ہوتا ہے، رہ گیا اس کا تجزیہ، تحلیل دراسہ اور استنتاج تو اس کا ہمارے یہاں شعور بہت کمزور ہے۔

بہر حال اس سیمینار کے انعقاد کی پہلی معنویت یہ ہے کہ مذکورہ الصدر تفصیلات کے مطابق تاریخی شعور اور تہذیبی شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اور کتابت تاریخ کے لئے صحیح دینی، علمی اور تحقیقی ضوابط کو کام میں لانے کی ضرورت ہے۔ ہم نہ تاریخ کی حتمیت کے قائل ہیں، نہ تاریخ کو جھوٹی شہرت کے لئے استعمال کرنے کے قائل ہیں۔ تاریخ کی حتمیت ادھرموں اور کمیونسٹوں کے ہاں ہے جو دنیا کا رب تسلیم نہیں کرتے ہیں نہ قضا وقدر کے قائل ہیں۔ تاریخ کو شہرت کا ذریعہ بنانا مکر، فریب، خیانت اور جھوٹ ہے، تاریخ تذکیر کے لئے ہوتی ہے اور کسی ایک کی نہیں ہوتی ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تاریخ اجتماعی بازدید کی ضرورت کا نام ہے، تاریخ نفع وضرر کے پیمانوں کو درست کرنے کا نام ہے۔ تاریخ کامیابیوں اور ناکامیوں کو چک کرنے کا نام ہے۔

تاریخ کو جاننا اس لئے چاہیے تاکہ کسی فرد اور جماعت کی اپنی عملی وفکری شناخت قائم رہے۔ دلوں کے اندر ماضی میں انجام پائے اجداد کے کارناموں سے حوصلہ ملے اور ان کے عملی تجربات کی روشنی میں ہمارے لئے عمل آسان رہے۔ ایک زندہ قوم اور فرد کے لئے تاریخی شعور ضروری ہے۔ اگر کسی فرد اور جماعت کی تاریخ ہے اور وہ اپنی تاریخ سے وابستگی نہیں رکھتی۔ تو وہ یا بے شعور ہے یا غافل ہے یا خود پرست ہے۔ اور وہ کسی بھی کاروان فکر وعمل کا حاشیہ بن سکتے ہیں۔ یا پھر لقمہ حیات ہی اس کا مذہب ہے اور بس۔ اور آج اپنی تاریخ سے بے اعتنائی کا انجام ہے کہ اہل حدیث کہلانے والے لوگ بھانت بھانت کی جماعتوں بھانت کے لوگوں کا گرد کارواں بننا پسند فرمالیتے ہیں۔ ہمارا کارواں طائفہ منصورہ کا کارواں ہے۔ طائفہ منصورہ بننے کے لئے عملی تسلسل کی ضرورت ہے (لاتزال) کا لفظ اس تسلسل پر دال ہے، لیکن یہ خوش فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ ہر وہ شخص جو اہل حدیث ہونے کا دعوی دار ہو وہ اس کاروان میں شمولیت کا سزاوار ہے۔ اس کاروان میں شمولیت کے لئے خالص عقیدہ وعمل کا حامل ہونا ضروری ہے۔ آج کے اباحیت پسند، ابن الوقت، مفاد پرست خائن، بدعقیدہ اور بدعمل اہل حدیث اس طائفہ سے انتساب کا حق نہیں رکھتے۔ اصولی طور پر وہ اس سے آپ سے آپ کٹ جاتے ہیں، اس کے بعد دعوی ہی دعوی رہ جاتا ہے۔ طائفہ منصورہ کا تاریخی تسلسل ضروری ہے تاکہ حق کی عملی وتہذیبی کڑیاں ٹوٹیں نہیں اور کارواں بھٹکے نہیں، اس سیمینار کی معنویت اس ناحیہ سے بھی ہے کہ جن لوگوں کا طائفہ منصورہ کا تاریخی شعور کجلا گیا ہے، یا سرے سے اس کا شعور نہیں رکھتے یا اس شعور کے متعلق غفلت کا شکار ہیں وہ تاریخی تہذیبی شعور وشناخت پیدا کرلیں۔ کاروان حق کے تاریخی تسلسل اور آباء پرستی میں بڑا جوہری فرق ہے۔ یہاں حق کا تسلسل ہوتا ہے وہاں بطلان کا تسلسل ہوتا ہے اور دونوں میں حق وباطل کا شعور نمایاں ہوتا ہے۔

اس سیمینار کی سب سے بڑی معنویت یہ ہے کہ ہم جس دور اور وقفے کی تاریخ اور وقفۂ تاریخ کے مرکزی کردار کو پڑھنے، جائزہ لینے، اس کی افادیت، عملی نشاطات، تعلیمی، تربیتی، دعوتی،

سماجی، جہادی سرگرمیوں کو ریکارڈ کرنے بیٹھتے ہیں، اس دور سے، اس وقت کے اعلام حدیث سے، ان کے عقیدہ وعمل سے، ان کی کارکردگیوں سے، مشکلات کا سامنا کرنے کے ان کے طریقے سے۔ تقاضائے عصر کے ان کے پورا کرنے کے طریقے سے، یا ان کی فقہ الواقع سے، ہم اپنے دور کے لوگوں، عقیدہ وعمل، کارکردگیوں، مشکلات اور ان کو فیس کرنے کے طریقے اور اس وقت کی فقہ الواقع کا موازنہ کریں اور طے کریں۔

(۱) کیا ہم مذکورہ تمام امور میں ان کی صلاحیتوں، اوصاف، قربانیوں اور ذمہ داریوں میں ان کے بالمقابل ہیں؟

(۲) کیا ہمیں ان کی مقابلے میں مشکلات کا سامنا کرنے کا دس فیصد بھی سلیقہ ہے۔

(۳) کیا ان کے مقابلے میں موجودہ وقت میں دس گنا پھیلے، مسلکی وملی مسائل کا ادراک ہے، کیا ہم ان کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور صلاحیت رکھتے ہیں تو کے فیصد؟

(۴) کیا ہم اس دور کے مقابلے میں بیس گنا بڑھی اہل حدیث آبادی کے دعوتی، تعلیمی، علمی، تحقیقی، معاشی، سیاسی، صحافتی، سماجی، عائلی وانفرادی وغیرہ وغیرہ مسائل کا ادنی احساس رکھتے ہیں۔

(۵) کیا ان کے بمثل ہم عمومی یا خصوصی دعوت کا صحیح پروگرام رکھتے ہیں اور دعوت کے کام کرتے ہیں؟

(۶) کیا ہم ان کی طرح مساجد کو آباد کرتے تحفظ کرتے ہیں اور ان کا تقدس برقرار رکھتے ہیں اور ان کے ہم گیر اثرات کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔

(۷) کیا ہم دینی تعلیم کا ان کے مقابلے میں- زمانے کا فرق، تسہیلات نظر میں رکھیں- صحیح اور حاجت بھر بندوست رکھتے ہیں؟

(۸) کیا ہم ان کی طرح فلاح امت کا کام کرتے ہیں؟

(۹) کیا ہم ان کی مانند باہم تال میل، محبت اور تعاون رکھتے ہیں اور باہم برادرانہ تعلقات رکھتے ہیں؟

(۱۰) کیا ان کی مانند ہمارا کوئی دینی موقف یا ولاء براء کا نظم ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۱۱) کیا ان کی مانند ہم سادگی کی پہچان رکھتے ہیں؟

(۱۲) کیا ہم ان کی طرح امانت دار ہیں؟

(۱۳) کیا ان کی مانند ہماری دینی سوچ ہے؟

(۱۴) کیا ان کی مانند ہمارے پاس اجتماعیت کا تصور ہے؟

(۱۵) کیا ان کی مانند ہم سچے مخلص، عبادت گزار اور امانت دار ہیں؟

یہ اور اس طرح بروقت ہمارے انداز رویے اور فکر وعمل کے متعلق ان سے موازنے کرتے وقت بے شمار سوالات ہیں اور طائفہ منصورہ کا جزء یا رکن بننے کے لئے اور اس تسلسل میں شریک ہونے کے لئے ان سوالات کو اٹھانا اور ان کا جواب دینا ضروری ہے۔

اس سیمینار کا اگر یہی مطلب ہے کہ خالی خولی لفظی خرمن جما کر لیں اور خوش ہو لیں تو اس کی کوئی افادیت نہیں۔ اس کی معنویت کا حتمی تقاضا ہے کہ ہم مذکورہ سوالات کے جوابات اپنے اذہان وقلوب میں رکھیں۔ یہ سوالات ہر اہل حدیث عالم پر خاص کر اور عام آدمی پر عمومی طور پر برقرار ہیں ان پر ذمہ داری بنتی ہے کہ ان سوالات کے جوابات سوچتے رہیں، دیتے رہیں۔

آج اگر شرح صدر کے ساتھ ان سوالات کے جوابات تلاش کریں تو جوابات نفی میں ملیں گے۔ ان سوالات کے جوابات نفی میں ملنے کا مطلب ہے کہ آج ہم ہندوستان میں طائفہ منصورہ کے تسلسل سے کٹ رہے ہیں۔ ہم ہر میدان حیات میں نقطہ افلاس پر آ ٹکے ہیں اور جمود کے اس خط سے اوپر نہ اٹھنا ہمارا مقدر بن گیا ہے۔ آج ہماری حرکت ونشاط کا سب سے بڑا مظہر بھک منگائی ہے ایسی حالت بن گئی ہے جیسے کاسہ گدائی پکڑنا لینا ہی علم دین اور قوم کی خدمت کی سند ہے۔ جس جماعت کے دینی قائدین کی طبیعت، مزاج عمل اور سوچ دریوزہ گری میں ڈھل جائے اور تسلسل کے لئے ہر قسم کا جھوٹ جائز قرار دیں اور خیرات کے پیسوں پر چوراہوں پر فقیروں کی طرح لڑیں، انھیں جاگیر بنالیں، دینی ادارے موروثی بن جائیں، چاپلوسی تعلقات کی سیڑھی اور یافت کا ذریعہ بن جائے، ملی امانتوں میں خیانت اور من مانی عام ہو جائے، دعوت وخطابت ٹھگی بن جائے، تعلیم دین ذریعہ اکتساب طے ہو جائے۔ تو ایسی قوم بے کردار، بے دماغ اور بے عمل بن جاتی ہے۔ آج شہرت اور نام آوری کے لئے ایسی دیوانگی ہے کہ اہل حدیث عالم اخلاص

وفریب، سچ جھوٹ اور خیانت وامانت کی پروا نہیں کرتا۔ ہر جگہ فٹ ہو جانے کو کمال جانتا ہے، غدر وفا اور غدارا وروفادار سب یکساں ہیں۔ سر پھرا پن اتنا بڑھ گیا ہے کہ کل کے چوزے اساطین علماء کے رتبوں کو نہیں جانتے۔ خارجیت کے مظاہر اتنے بڑھ گئے ہیں کہ سیکولر تعلیم یافتہ ملاؤں کی دعوتی ہوڑ بازی مسلک کے لئے وبال جان ہے، مفاد پرستی، خود غرضی اور ہوس نفس کا اس قدر زور ہے کہ اس حمام میں سب ننگے ہوتے جا رہے ہیں۔ مقابلہ آرائی کا بدترین مظاہرہ کہ تضحیک کا سامان بننے سے ڈر نہیں، تین تین کمروں کے کالج بن رہے ہیں اور ادارے کا صدر ادارے کی طرف سے ادارے کو چندہ دے رہا ہے۔ حنفی حیلہ بھی اس سے شرمائے، ایسا لگتا ہے جیسے سارے ادارے ڈوب رہے ہیں اور موروثی بنے جا رہے ہیں اوپر جن سوالات کو رکھا گیا ہے کیا ان کے جوابات یہی نہیں بنتے ہیں۔

جس تاریخی وقفے کے متعلق سیمینار کا انعقاد ہوا ہے، اس کے مقابلے میں اس وقت ضرورتیں زیادہ ہیں، سہولیتیں زیادہ ہیں، تعداد زیادہ ہے۔ مشکلات زیادہ ہیں، لیکن اس کثرت کے مقابلے میں قلت صلاحیت ہے، قلت اخلاص ہے، قلت امانت ہے، قلت مسئولیت ہے، آج تو ہر چیز تجارت بنتی جا رہی ہے، یا تو تجارت کی بنیاد پر دعوت کا کام ہوتا ہے، یا ملی املاک وادارے ذاتی تجارتی بنالئے جاتے ہیں، دین دعوت تعلیم سب کچھ سامان تجارت ہیں، نتیجہ ظاہر ہے سب کے سامنے ہے۔

انفرادی زندگی میں اباحیت پسندی کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ تربیت کا سرے سے فقدان ہے، نہ افراد تیار ہوتے ہیں، نہ صالحیت، تقوی اور دین داری کی قدر وقیمت اور وقعت گھٹ کر رہ گئی ہے۔ اس وقت اباحیت پسندی عملی زندگی میں سب سے بڑی پہچان ہے۔ ہر شے میں اباحیت داخل ہوتی جا رہی ہے۔ عقائد کی جگہ قومیت اور سیکولرزم کو جگہ ملتی جا رہی ہے۔ رجحان یہ بنتا جا رہا ہے۔ ہر شخص آزاد ہے جیسا چاہے کرے اور ہر شخص کے لیے بس سر گننے، انتخاب کرنے کی بات رہ گئی ہے، صلاحیت اور صالحیت وجہ امتیاز نہیں۔ شرعی امارت قائم کرنے کا امکان نہ رہا، استعمار کو بھگانے کے لئے قومی جدوجہد میں ہمارے اکثر علماء کانگریس سے وابستہ ہو گئے۔ پھر دینی زوال یوں بھی آیا کہ گاندھی نہرو ان کے پیر بن گئے، آج بھی بعض علامہ لوگوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کانگریسیت کانگریس کے پٹ جانے کے بعد بھی اہل حدیثیت پر بھاری ہے۔ پاکستان میں محمد علی جناح پیر بن گئے، قومیت کے زہریلے خنجر سے ہمارے لوگوں کے بھی عقائد مجروح ہوئے۔

قومیت اور مغربیت سے تاثر کے نتیجے میں ہماری اجتماعیت کا ڈھانچہ تباہ ہوگیا، حتی کہ دینی تنظیمات اور انجمنیں مغربی ووٹنگ اور عام ممبر شپ کی بنیاد پر بننے لگیں اور ہرا یرا غیرا ممبر اور عہدہ دار بن گیا۔ اہل حل وعقد اور شورائیت کا شرعی اصول ذہنوں سے کلیتاً نکل گیا۔ اس قومیت نے علاقائی عنصری اور لسانی غلاظتوں کو اذہان وقلوب میں انڈیل دیا، پھر ترجیحات ومفادات طے ہونے لگے، پھر خوشامد سیرت وکردار میں دخول کر گئی اور خشامدیوں کے پرے کے پرے اڈ آئے اور آخری منزل خیانت ٹھہری، اباحیت کا چوپٹ دروازہ کھل گیا اور پھر دین وایمان لٹ گیا، دل کی بستیاں ویران ہوگئیں، سیرت وکردار اخلاقی دیوالیہ پن سے دوچار ہوگئے۔

انحطاط فکر ونظر کا یہ حال ہوا کہ جبر وفریب کی قیادتوں کو خلافت کا لباس مل گیا، خیانتوں کی تقدیس ہونے لگی، اکاذیب کو مقدس مانا جانے لگا، فریب کو خوبی وکمال مان لیا گیا، اور کاروبار مکر وفریب، خیانت ومو امرت کو دانشوری بنا دیا گیا۔ ان گھناونے کاموں کے مرتکب بہ نفس نفیس خود کو ذہین قابل اور قائد مان بیٹھے، جب کہ ایسا کام کرنے کے لئے تیسرے درجہ کی ذہانت کافی ہے۔ ایسی حالت میں کاروان (طائفہ منصورہ) میں شمولیت اور اس کے تسلسل کا حصہ بننے کا مسئلہ ہی ختم ہوگیا۔

اس وقت عالمی صورت حال یہ ہے کہ سارے ادیان ملل، مذاہب اور افکار وخیال کے لوگ ایک طرف ہیں اور سب ہم زبان ہیں اور دوسری طرف سارے عالم میں سلفیوں اور سلفیت کو یکتا وتنہا کر دیا گیا ہے۔ اور نقطہ اتحاد یہ ہے کہ سلفی اور سلفیت اس وقت امن عالم کے لئے خطرہ ہیں انھیں متہم کیا جاتا ہے کہ سلفی دہشت گرد ہیں اور سلفیت دہشت گردی ہے۔ ان کو خارجیت سے جوڑا جاتا ہے۔ القاعدہ اور دیگر تشدد میں ملوث آؤٹ فٹ سے جوڑا جاتا ہے۔ وہابیت سے سلفیوں کو منسوب کیا جاتا ہے، سلفیوں اور سلفیت کے خلاف میڈیائی دہشت گردی کا دور جاری ہے اور سب اس میں ملوث ہیں، اپنے غیر کی تفریق نہیں ہے۔ حکومتی سرگرمیاں انتظامیہ پولیس انٹلی جنس لشکر کشی تو اپنی جگہ، عالمی تحقیقی ادارے، انجمنیں، ریسرچ گاہیں اور اسپرٹ سب کی

بھرپور حصہ داری ہے۔ سلفیت اور سلفیوں کے خلاف۔ اس کا سارا فائدہ صرف اور صرف رافضیوں کو جاتا ہے، سلفیوں کی کاٹ ہوتی ہے، تاکہ ان کی جگہ رافضی لے لیں اور سارے سیاسی، مادی، سماجی، نظریاتی اور حربی فوائد ان کو مل جائیں، خصوصاً سعودی عرب کی جگہ ایران کو مل جائے۔ شرق اوسط کا سارا معاملہ بگڑ چکا ہے اور سارے کے سارے صلیبی، صہیونی، تحریکی، قبوری، صوفی، رافضیوں کے حق میں ہیں، یمن پر حوثیوں کا قبضہ پھر جنگ ان کے پروگرام کا اہم حصہ ہے۔ سعودی عرب اہل سنت سے نسبت رکھنے والوں کا الائنس بنانے میں لگا ہوا ہے، اس میں کتنا کامیاب ہوتا ہے، کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ لوگوں کے اپنے اپنے مفادات ہیں اپنے اپنے عالمی معاہدے اور تعلقات ہیں۔ اپنے اپنے قومی یا سیکولر نظریات ہیں۔ اپنی اپنی ترجیحات ہیں پھر مسلم ممالک کی سیاسی معاشی کمزوریاں اور پستیاں ہیں۔ پھر بھی اس تال میل سے اگر رافضیوں او ررافضیوں کے الحادی اتحاد کا راگ الاپنے والوں کو وقت کی نزاکتوں کا پیغام مل جائے اور یہ اپنے توہمات اور کج فکریوں سے ابر سکیں تو بہتر ہے۔

اس چیلنج بھرے حالات میں ہمارا موقف کیا ہونا چاہیے، ہم اس چوطرفہ یلغار کا کسی طرح مقابلہ کریں، اس کو کیسے اپنے لوگوں کو سمجھائیں اور کیسے اپنی بقا اور تحفظ کے لئے تیاری کریں۔ یہ بہت بڑا سوال ہے مجھے لگتا ہے ابھی تک ہمارے ہاں علی العموم کیا علماء کیا عوام کو یہ پتہ ہی نہیں کہ کیا ہورہا ہے اور اس کا تدارک کیا ہونا چاہیے، افسوس تو اس کا ہے کہ ہمارا میدان فکر وعمل اتنا سمٹ سمٹا گیا ہے کہ دشمنوں کی یلغار کا بھی صحیح پتہ نہیں ہوتا پھر اس کے دفاع کے کیا معنی؟ اور جو سمجھ دار مانے جاسکتے ہیں وہ بھی ذاتی مفادات سے اوپر اٹھنے کی سکت ہی نہیں رکھتے۔

آج بے بسی اور محرومی کا احساس ہوتا ہے کہ جماعت کا شیرازہ بکھرا جارہا ہے، کہیں نقطہ اتحاد اور نقطہ تعاون عملاً نظر ہی نہیں آرہا ہے۔ حالات ایسے بگڑ گئے ہیں کہ سارا عالم ہمیں نشانہ بنائے ہوئے ہے اور ہمارے ہاں لوگوں کے اپنے اپنے شغل ہیں، کہیں خیرات کے پیسوں پر بناء مساجد میں کمیشن کے پیسوں کو گننے سے فرصت نہیں، کہیں ان پیسوں کو کالا دھن بنا کر الیکشن لڑا جارہا ہے اور اس لعنت پر بھی واہ واہی ہورہی ہے۔ مشاعرے ہورہے ہیں۔ کانفرنسیں ہورہی ہیں۔ اپنی اپنی شخصی پہچان اور ادارہ جاتی پہچان بنانے میں لوگ لگے ہیں اور ایسی حرکتیں وہ کرتے ہیں جن کو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سب جانتے ہیں کہ وہ سارے خصائل اور انسانی خوبیوں سے خالی ہیں مگر افسوس ان کو بھی علماء اثبات کا تعاون ملتا رہتا ہے، ایسے لوگوں کو کسی طرح کا کوئی پیغام نہیں جاتا کہ یہ نازیبا حرکتیں جماعت کے کھاتے میں جاتی ہیں اور یہ جماعت کو برداشت نہیں ہے۔

مظاہر خارجیت کے حامل سیکولر تعلیم یافتہ مسلک کے نام پر الگ ہر جگہ جماعت کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں، لیکن ان کے متعلق جماعت کا کوئی موقف نہیں ہے۔

جماعت میں موجود ہر قسم کے بحرانوں کا کیا رونا، اب تو ان پر رونا بینا کھونا ہے۔ کب وقت آئے گا کہ کم سے کم جماعت عمل اور سوجھ بوجھ میں اس سطح پر آجائے کہ اندر باہر جماعت کو کھوکھلا کرنے والے عناصر کو پہچانے اور اپنی علمی دینی حیثیت منوا سکے، پتہ نہیں دین ومسلک و جماعت کو کوڑیوں کے مول خریدنے اور بیچنے کا کام کب تک چلے گا اور نحوست زدہ کاسہ گدائی کو اصل الاصول کب تک مانا جائے گا!!! سیمینار کا پیغام ہے کہ جماعت اور اس کے علماء اثبات اپنی اصل شناخت، صالحیت، خودداری، ذمہ داری اور ایمانداری کے ساتھ آگے آئیں ورنہ کاروان حق لٹتا رہے گا اور دوسوسال کا عظیم سرمایہ مٹ جائے گا۔

اس سیمینار کے انعقاد کا خیال حافظ شکیل احمد میرٹھی اور ان کی ٹیم کو آیا۔ انہوں نے جامعہ نذیریہ کے ایک عالم مولانا منظور احمد سلفی کی خدمات حاصل کیں اور موضوعات کی ایک فہرست تیار کی اس ابتدائی عمل کے بعد حافظ صاحب نے مجھ سے مشورہ کیا۔ سیمینار کے متعلق تفصیلی گفتگو ہوئی، فہرست موضوعات تیار ہوئی، اس میں حذف واضافہ کیا گیا، پھر علماء کی فہرست بنائی گئی، اتنا کام کرنے کے بعد میں سرد مہری اختیار کر لی، تقریبا ۱۸؍سالوں سے جماعت کے اکثر چھوٹے بڑے سیمیناروں اور علمی پروگراموں کے لئے میں نے کام کیا ہے لیکن ایسے سنجیدہ کاموں میں بھی جس طرح چھینا جھپٹی کا منظر دیکھا ہے، تقریر کرنے، فوٹو کھنچوا کر اشتہاروں میں نام آنے کے لئے جو دیوانگی دیکھی ہے وہ انتہائی سطحی اور قابل افسوس ہے۔ رائے مشورہ کی عموما ان دیکھی ہوتی ہے۔ اکثر پروگراموں کو ہائی جیک کرنے کی کوشش ہوتی ہے، یہ حرکتیں میرے لئے انتہائی اندوہ ناک ہوتی ہیں۔

بہر حال سیمینار کے لیے پھر سے تحریک ہوئی۔ مولانا صلاح الدین صاحب حفظہ اللہ نے

بھی سیمینار کرڈالنے کے لئے کہا۔ آخر میں میں نے ذہنی طور پر خود کو تیار کیا اور سیمینار کے انعقاد کی ذمہ داری لی، انتظامی امور کو حافظ شکیل صاحب اور ان کی ٹیم نے انجام دیا اور علمی امور کو ہماری ٹیم نے، سیمینار کا کنوینر میں نے عزیزی راشد حسن سلمہ کو چنا، انہوں نے عرب وعجم سے اتصالات کا سارا کام انجام دیا، خطوط انہوں نے تیار کئے، سوشل میڈیا کا بہترین استعمال کیا اور بہت کم مدت میں ہندوستان کے مقالہ نگاروں، علماء اور اساطین جماعت سے تعلق واتصال بن گیا، پاکستان کے قلمکاروں کو انہوں نے ڈھونڈھ نکالا اور ان سے گفتگو کی۔ وہاں کے علماء نے اس سیمینار کے متعلق جس جوش وخروش کا مظاہرہ کیا اس نے سیمینار کے انعقاد میں جان ہی نہیں ڈال دی لطف ولذت میں اضافہ کر دیا، سرور وکیف پیدا کر دیا اور ایک لمحہ کے لئے سیمینار بوجھ نہیں محسوس ہوا، علامہ البانی کے شاگردوں سے شوسل میڈیا کے ذریعہ اتصال کیا گیا، ان لوگوں نے بھی اس پروگرام کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ مکہ مکرمہ میں گرامی قدر عزت مآب ڈاکٹر وصی اللہ عباس حفظہ اللہ نے سعودی عرب کے علماء سے مقالات یا تاثرات بھجوانے کی ذمہ داری لی اور حوصلہ بخشا، برطانیہ کے مقالہ نگاروں نے سیمینار کے لیے قیمتی مقالات بھیجے۔

عزیزم راشد حسن صاحب کی معاونت عزیزم عبدالقدیر نے ہر قدم پر کی، مولانا صلاح الدین صاحب نے سیمینار کے انعقاد میں بھرپور دلچسپی لی اور مشورے وتوجیہات میں برابر شریک رہے۔

امید ہے کہ سیمینار میں خاصی تعداد میں مقالات آئیں گے اور توقع ہے اردو عربی انگریزی تین زبانوں میں قلمکار اپنے موضوعات پر جوہر دکھلائیں گے۔

اس سیمینار سے متعلق میری ایک بڑی تقصیر ہے۔ مجھے موضوعات طے کرنے سے پہلے ایک علمی فریم طے کر لینا چاہیے۔ موضوعات کو ابواب اور فصول میں بانٹ دینا تھا اور موضوعات کے نقاط اور مراجع بھی بتا دینا چاہیے تا کہ سارے مقالات مرتب کتابی شکل میں آتے۔ لیکن افراتفری کا ایسا ماحول تھا کہ یہ سب نہ ہوسکا سیمینار کے بعد ایسا کرنا ہوگا۔

سیمینار کا سب سے محنت طلب مرحلہ مقالات کو پڑھنے، ترتیب دینے اور اصلاح وترمیم کرنے کا ہوتا ہے۔ بعد میں جن کے ذمے یہ کام ہوتا ہے۔ وہ تنہا رہ جاتے ہیں۔ بھیڑ چھٹ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہے اور اگر سیمینار کے ذمہ دار ذی علم اور حساس نہ ہوں تو مقالات چھپ نہیں پاتے۔ اس کی سب سے بڑی مثال رچھا (بریلی) کا (تصوف) پر سیمینار ہے۔ بہت اچھے مقالے پڑھے گئے۔ خوب بھیڑ بھاڑ تھی۔ خوب اسٹیج سجے۔ لیکن بعد میں مقالات کا کوئی پرسان حال نہ رہا۔ سب تتر بتر ہو گئے اور لوگوں نے اپنے اپنے مقالے چھاپ لئے۔

سیمینار کے بعد ضروری ہے کہ مرتبین کی ایک کمیٹی بن جائے تا کہ معیاری بنیادوں پر مقالات کی اصلاح و ترتیب ہو جائے اور جلد از جلد مقالات اشاعت پذیر ہو جائیں۔

ہمارے اپنے سیمیناروں کا ایک ماحصل میں نے یہ دیکھا ہے کہ ہمارے قلمکاروں کی ایک اچھی تعداد سطح علم پر نمودار ہو گئی ہے۔ دراصل یہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ علماء کو اپنے جوہر نکھارنے کا پلیٹ فارم مل جائے۔ ہمارے یہاں صلاحیتوں کی کمی نہیں ہے بلکہ مجموعی اعتبار سے سب سے اچھی صلاحیتیں ہمارے یہاں موجود ہیں۔ انھیں نکھرنے اور پروان چڑھنے کا موقع ملنا چاہیے، شتر گربگی ہے کہ جماعت کا کہیں علمی پروگرام ہو اور اپنے علماء نظر انداز ہوں اور دوسرے سکنڈ تھرڈ کلاس کی صلاحیت کے لوگوں کو زینت محفل بنانے کا شوق پالا جائے۔ اسی طرح کا علمی فقہی تحقیقی اسٹیج انھیں ملتے رہنا چاہیے تا کہ ان کی صلاحیتیں نکھر سکیں یہ بنیادی امر ہے اس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

ہم شکر گذار ہیں تمام ساتھیوں کے، ٹیم ورک کرنے والوں کے، سیمینار میں شرکت کرنے والوں کے، پاکستانی اور عربی احباب کے، جنہوں نے تعاون ہی نہیں کیا بلکہ اس موضوع پر بھرپور اپنائیت کا ثبوت دیا۔ شکریہ تمام ورکروں کا، اخبارات اور ٹی وی چینلوں کا، ان کے نمائندوں کا، اور شکریہ تمام مہمانوں کا۔ حافظ شکیل میرٹھی کی ٹیم کا۔ جامعات کے طلباء کا، جنہوں نے انتھک محنت کی۔ سوغات تشکر عزیزان راشد حسن اور عبدالقدیر کو، ہدیہ امتنان مولانا صلاح الدین کے لئے اللہ تعالیٰ سب کی جہود کو قبول فرمائے اور اپنے دامن عافیت میں پناہ دے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"